راج ترنگنی کی کہانیوں سے

کشمیر کے قصّے

دیویکا رنگ چاری

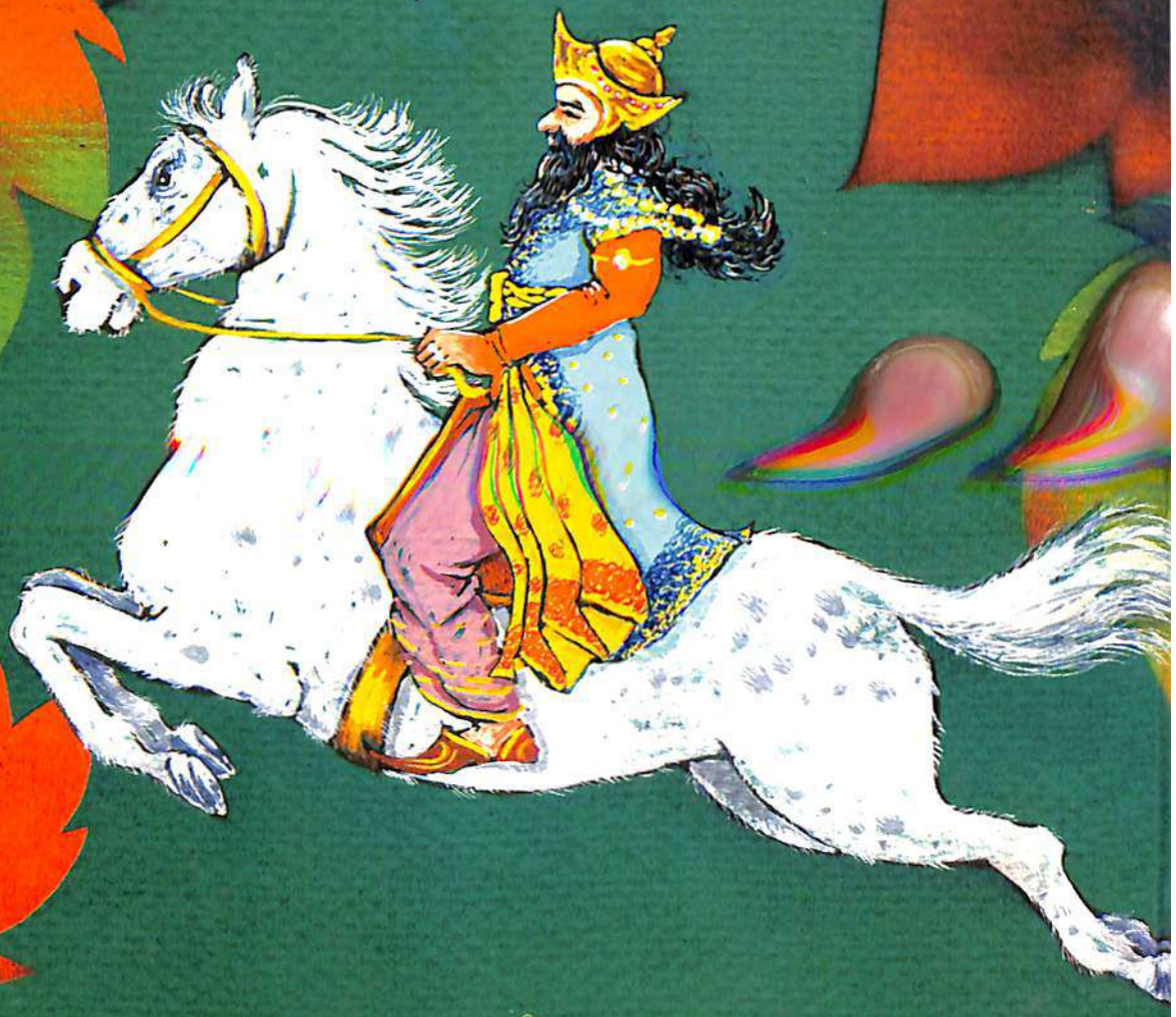

راج ترنگنی کی کہانیوں سے

کشمیر کے قصّے

مصنّف : دیویکا رنگ چاری

مصوّر : اجنتا گہاتھا کرتا

مترجم : کلیم اللہ

چلڈرن بک ٹرسٹ ☆ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان ☆ بچوں کا ادبی ٹرسٹ

فہرست

-1	کشمیر کی کہانی (الف-ا)	5
-2	ناگوں کی داستانیں	11
-3	ایک عورت کی حکومت	18
-4	سانپ راجا	25
-5	آدمی جو مر کر راجہ بن گیا	30
-6	آسمانی پیراسول (زمانۂ چھاتا)	37
-7	شاعر کا نصیب	43
-8	دو ماؤں والا راجا	50
-9	شہد کی مکھیاں اور دیوی	57
-10	انصاف کی پکار	64

11-	خدا کا پسندیدہ	70
12-	راجا کی خوشیوں بھری زندگی (-II)	77
13-	راجا کی خوشیوں بھری زندگی (-I)	84
14-	کشمیر سے سیلاب کا خاتمہ	90
15-	ظالم دادی	97
16-	راہِ فرار	105
17-	ایک لاکھ سکّے	113

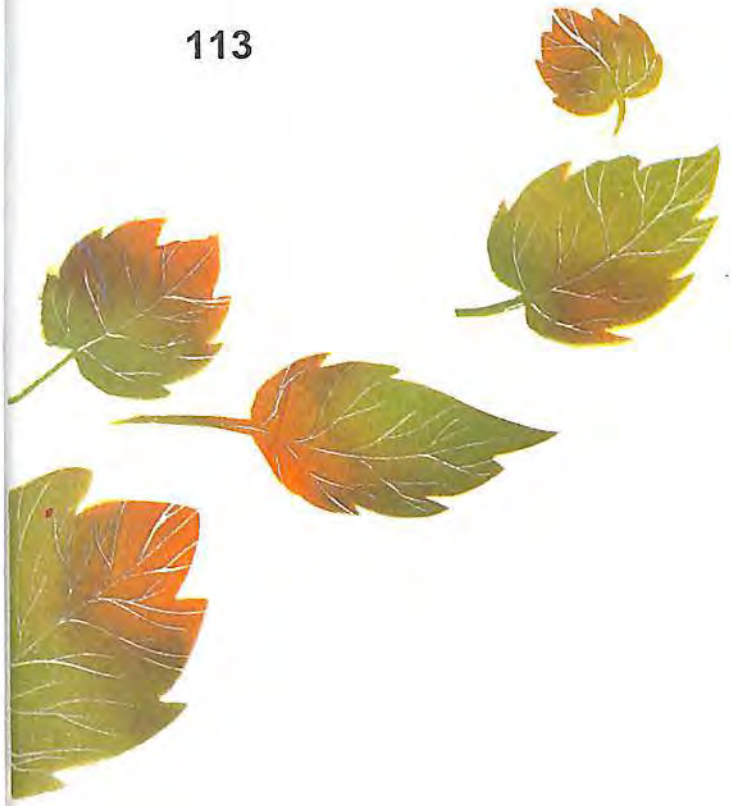

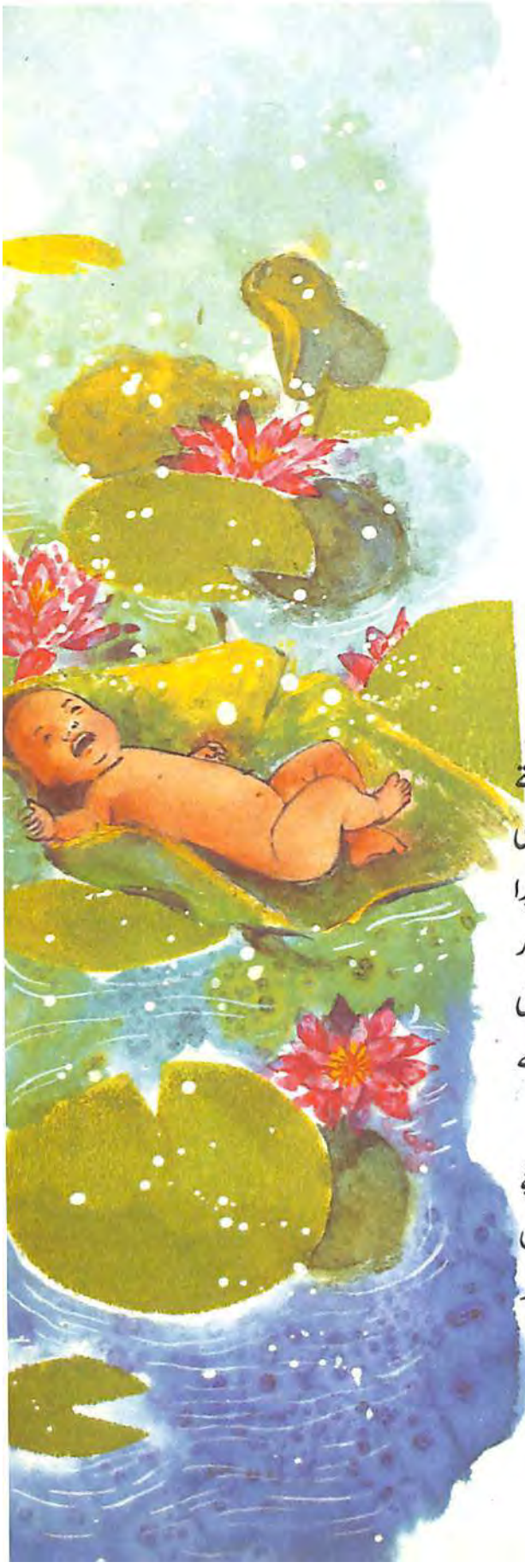

کشمیر (الف) کی کہانی

کشمیر (الف) کی خوبصورت سرزمین ، بہت سے چمکتے دمکتے جھرنوں اور جھیلوں سے سیراب، برف پوش ہمالیائی سلسلے سے گھری ہوئی، بے شمار ہری بھری نباتات سے لدی ہوئی ایک جھیل سے پیدا ہوئی تھی۔ بہت عرصہ قبل ستی کی یہ جھیل جیسا کہ اس نام سے جانی اور پہچانی جاتی تھی، اپنے شفاّف پانی اور چمکتے کنولوں سے دلکش بنی ہوئی تھی۔ اکثر دیوتا اُس کے کناروں پر بیٹھنے کی خاطر جنّت سے نیچے اُترتے تھے۔

ایک دن ناگوں (جھیل کے ناگا دیوتاؤں) نے ایک نوزائیدہ بچّے کے رونے کی آواز سنی۔ پانی کی گہرائیوں سے نکلتے ہوئے انھوں نے بچّے کو کنول کی ایک پتّی پر تیرتے ہوئے دیکھا۔ وہ ترس کھا کر اس کے گرد جمع ہو گئے۔

''ہمیں اس بچے کو پالنا چاہیے'' ایک نے کہا۔ چوں کہ یہ پانی میں پیدا ہوا تھا اس لیے ہم اسے جلود بھاوا (آب زادہ یعنی پانی میں پیدا ہوا پکاریں گے۔

جیسے جیسے برس گزرتے گئے، یہ بچہ نوجوان ہوتا گیا۔ ''میں یہاں اپنی زندگی سے مطمئن نہیں ہوں۔'' اس نے ناگوں کو بتایا۔ ''میں بھگوان برہما کو مناؤں گا اور ان سے ایک التجا کروں گا۔

ناگے، جنھوں نے اس کی بڑے لاڈ پیار سے پرورش کی تھی، اس کی اس آرزو سے پریشان تھے۔ ''تم غیر مطمئن کیوں ہو؟'' انھوں نے پوچھا۔

''کیا ہم نے تم کو وہ سب کچھ نہیں دیا ہے جس کی تمھیں ضرورت تھی؟'' آب زادہ (جلود بھاوا) ضدی تھا۔ اس نے جھیل کو چھوڑ دیا اور برہما کو خوش کرنے کے لیے کٹھن تپسّیا شروع کر دی۔ ''جلود بھاوا (آب زادہ) میں تم سے خوش ہوں'' برمہا نے کہا۔ ''تم کیا چاہتے ہو؟''

جلود بھاوا نے ان کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور کہا ''اے میرے مالک مجھے تین بردان دے دو۔ (میری تین مرادیں پوری کر دو۔) میں پانی میں ابدی زندگی، جادوئی طاقت نیز بے نظیر شجاعت چاہتا ہوں۔''

''ایسا ہی ہو'' برہما نے جواب دیا اور نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ آب زادہ (جلود بھاوا) فتح مندی سے گھر واپس آیا۔

تب اُن لوگوں کے لیے خوف و ہراس کا ایک دور شروع ہوا جو جھیل کے قریب رہتے تھے۔ آب زادہ (جلود بھاوا) جادوئی اور دوسرے ذرائع کا استعمال ان لوگوں کو پکڑنے اور کھانے کے لیے کرتا تھا۔ انھیں خوف و ہراس نے بھاگنے کے لیے مجبور کیا جب کہ وہ اب اس اجاڑ اور سنسان زمین میں بے خوف و خطر گھومتا پھرتا تھا۔ آب زادہ (جلود بھاوا) ناگوں کو بھی اس وقت تک پریشان کرتا رہا جب تک کہ انھوں نے جھیل کو نہیں چھوڑا اور اپنے راجا نیل کی پناہ نہیں لی۔

''ڈرومت''، نیل نے انھیں تسلی دی۔ ''میرے باپ رشی کشیپ دنیا کے سفر پر ہیں۔ میں اُنھیں، اپنی مدد کرنے کے لیے آمادہ کروں گا۔''

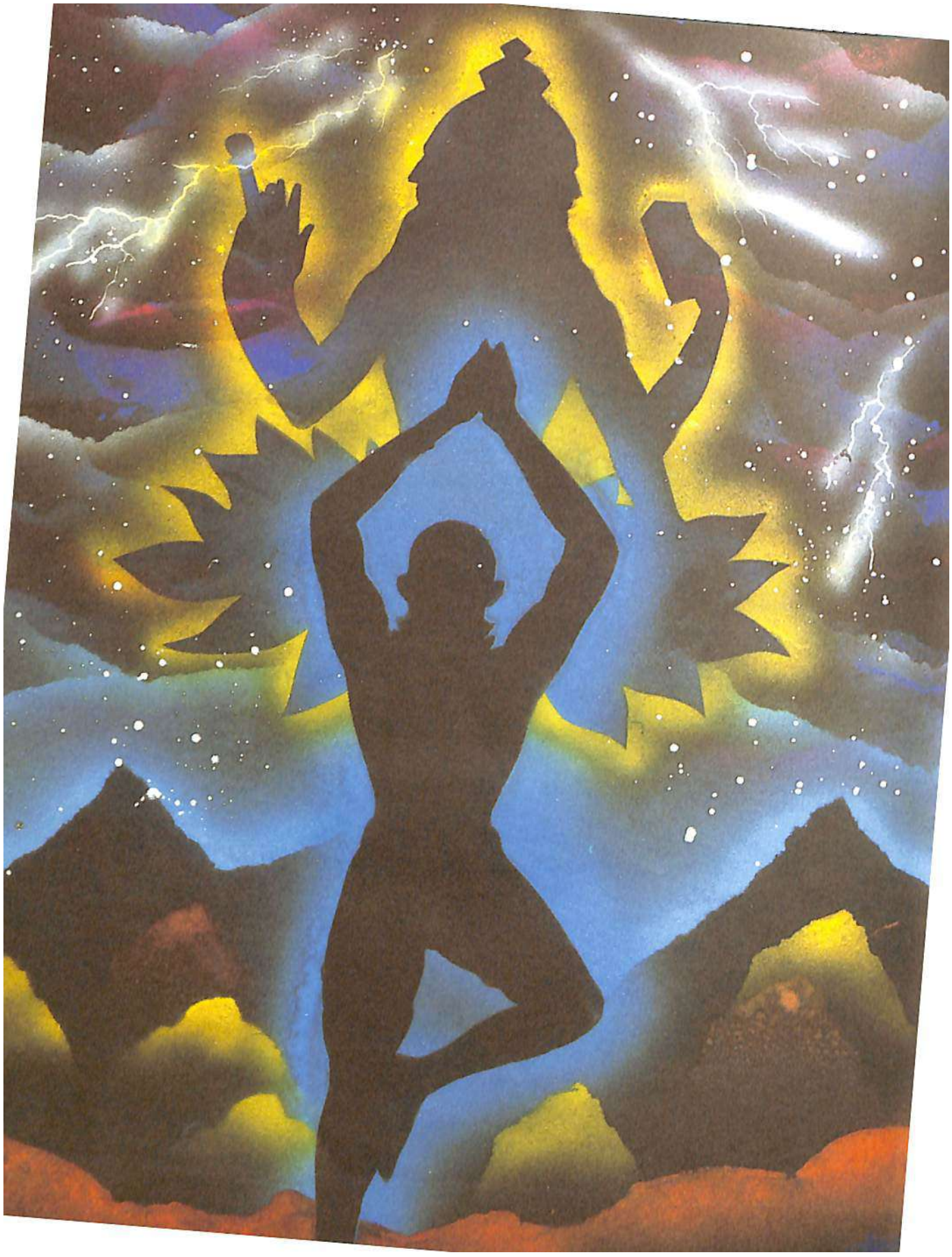

اس کے مطابق نیل، کشیپ سے ملنے گیا۔

''اے باپ'' اس نے کہا'' ہمالیہ میں بھی مقدس مقامات ہیں۔'' اس نے کشیپ کے تجسس کو بڑھایا اور وہ نیل کو ساتھ لے کر اپنے ملک کو گئے۔ کچھ پاک مقامات کے نظارے کے بعد انھوں نے دیکھا کہ ملحقہ زمینیں اجاڑ پڑی تھیں۔ ''نیل مجھے بتاؤ، یہ جگہ اجاڑ کیوں ہے۔'' انھوں نے کہا'' یہ جگہیں کبھی بہت سے درختوں اور فصلوں سے ڈھکی رہتی تھیں۔''

نیل نے دکھ میں اپنے سر کو جھکایا'' اے (باپ) آپ جانتے ہیں کہ ہم نے ایک بچے (آب زادہ) جلود بھاوا کی جھیل میں پرورش کی تھی۔ دراصل وہ سنگرہ کا بیٹا ہے اور اس نے اپنے باپ کے بے رحم راستے کو اختیار کرلیا ہے۔ اس گستاخ آدمی نے برہما سے بردان حاصل کرلیا ہے اور ہم اب مزید اسے نہیں روک سکتے ہیں۔ وہ ساری دھرتی کو کھا چکا ہے اور اسے اجاڑ بنا چکا ہے۔ اُسے روکنے میں آپ ہماری مدد کریں۔''

''میرے ساتھ آؤ''، کشیپ نے کہا اور وہ برہما کے گھر پر گئے۔

وشنو، شیوا اور آنتا بھی اس وقت وہاں موجود تھے۔ جب انھوں نے کہانی سنی تو برمہا نے کہا'' ہم اس دیو کو زیر کرنے کے لیے جائیں گے اور وشنو اس کا قتل کریں گے۔''

یہ خبر قدسیوں میں پھیل گئی۔ سبھی دیوتا، دیویاں پتنیاں اپنی ماؤں کے ساتھ، سمندر، ندی اور دوسرے دیوتا لڑائی دیکھنے کے لیے تیار تھے۔ وشنو نے گروڑ پر سوار ہو کر راستے کی اگوائی کی۔ ان کے پیچھے شیوا اپنی بیوی۔ پاروتی کے ہمراہ نندی بیل پر سوار ہو کر چلے۔ برہما ہنس پر، گنگا مگر مچھ پر، سریو ہرن پر، جمنا کچھوے پر، سرسوتی بھینے پر اور باقی اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہو کر چلے۔

جب وشنو ستی جھیل کے قریب نو بندھن پہاڑ تک پہنچے تو وہ رک گئے'' جلود بھاوا!'' وشنو نے زور سے پکارا۔ ان کی آواز گرجی اور چوٹیوں میں بازگشت کرنے لگی۔ ''مقدس جھیل سے باہر آؤ۔''

بدماش جھیل کی گہرائیوں کے اندر برہما کے بردان سے محفوظ ہو کر ہنسا۔

''اے وشنو! وہ باہر نہیں آئے گا،'' برہما نے کہا ''وہ پانی میں لازوال ہے۔ میں نے اس کی یہ مراد قبول کر لی ہے۔

''تب تو میں نو بندھن پہاڑ میں داخل ہوں گا۔'' وشنو مسکرائے۔ دوسرے دیوتاؤں اور 'اپسراؤں' نے ان کی پیروی کی۔ تب وشنو آنتا سے مخاطب ہوئے ''اپنے ہل سے ہمالیہ کو توڑ دو اور اس جھیل کو پانی سے خشک کر دو۔'' آنتا نے بڑی شکل اختیار کر کے جواب دیا۔ تب اس نے اپنے ہل کو اٹھایا اور ڈرا دینے والی طاقت سے پہاڑ کو توڑ ڈالا۔ اچانک پانی گڑگڑاتی ہوئی آواز کے ساتھ تیزی سے پھوٹ نکلا اور چکر کاٹتی ہوئی لہریں چوٹیوں سے جا ٹکرائیں اور انھیں نگل گئیں۔ اس کے بعد جھیل کا پانی غائب ہونا شروع ہوا۔ اچانک وہ جگہ تاریکی میں ڈوب گئی۔

''یہ جلود بھاوا کا جادو ہے۔'' وشنو نے کہا۔ وہ شیو سے مخاطب ہوئے۔ ''اے بھگوان جو کچھ ضروری ہو کرو۔''

شیوا نے فوراً سورج اور چاند کو اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا۔ تاریکی غائب ہو گئی اور روشنی زمین پر واپس آ گئی۔

جلود بھاوا نے تب ایک ڈراؤنی شکل اختیار کی اور وشنو کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ''میں ناقابل تسخیر ہوں!'' وہ چلایا۔ مجھے للکارنے کی جرأت کون کر سکتا ہے؟''

وشنو مسکرائے اور انھوں نے تب ایک خوفناک اور ڈراؤنی شکل اختیار کی جیسا کہ بدماش نے اختیار کی تھی۔ دونوں کے درمیان گھمسان جنگ ہوئی۔ اسلحے کے طور پر مضبوط درختوں اور اونچی پہاڑی چوٹیوں کو استعمال کیا گیا۔ قدسیوں اور ناگوں نے اس جنگ کو وحشت زدہ خاموشی سے دیکھا۔ آخر کار وشنو نے شدرسن چکر سے جلود بھاوا کا سر قلم کر دیا۔

تماشا دیکھنے والے خوشیوں کے گیت گانے لگے۔ کشیپ نے وشنو کے سامنے سر تسلیم خم کیا ''اے، بھگوان اس دیش کو انسانوں سے آباد رہنے دے۔''

''ایسا ہی ہو''، بھگوان نے کہا۔ کشیپ بھی پرجاپتی یا ''کا'' کے نام سے پکارا جاتا ہے اور پانی کو بھی ''کا'' کہا جاتا ہے۔ یہ ''کا'' آنتا سے لیا گیا تھا، اس لیے یہ خطہ، کشمیر (الف) کے نام سے پکارا جائے گا۔

تب برمہا، وشنو اور شیوا نے اپنے اپنے نام ان چوٹیوں کو دیے جن پر وہ کھڑے تھے۔ شیوا نے وشنو کے فتح کے مقام پر ایک آشرم قائم کیا اور دوسرے دیوتاؤں، سادھوؤں، ندیوں، گاندھروں، اپسراؤں، یکشو ماں آسمانی قدسیوں اور پہاڑوں کے راجاؤں نے اس آشرم کے قریب اور اس کے مفاضات میں اپنے اپنے آشرم تعمیر کیے۔

اس طرح کشمیر کے تشکیل کی کہانی ختم ہوتی ہے۔ ندیاں اب بھی زمین پر سفر کرتی ہیں۔ ان کے نام بھلے ہی تبدیل ہو چکے ہیں تاہم ان کے پانی ہمیشہ تازہ اور شفاف ہیں۔ وہ پہاڑ جنھوں نے کبھی اُس آسمانی جنگ کو دیکھا تھا، اب بھی اس خوبصورت خطّے کی پرورش کرتے ہیں جو ایک جھیل سے پیدا ہوئے تھے۔ (کچھ ارضیاتی مشاہدے بھی اس داستان کی حمایت کرتے ہیں کہ کشمیر ایک جھیل سے پیدا ہوا تھا)۔

ناگوں کی داستانیں

ناگوں کو بھگوان وشنو کے ذریعے کشمیر کی جھیلوں میں رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ لوگوں سے قطع تعلق کی خاطر وہ پانی کے نیچے اپنی سلطنت میں رہنا پسند کرتے تھے۔ وہ تازہ اناج پر اپنی بسر اوقات کرتے تھے۔ جسے وہ آندھی اور بارش کی شکل میں بہالے جاتے تھے۔

یہ ایک براہمن وشاکھا کی کہانی ہے جو ناگ کی دنیا میں لایا گیا تھا۔ ایک دن نرپورا میں وشاکھا جب کہ وہ تالاب کے قریب آرام کر رہا تھا اور اپنا دلیا کھا رہا تھا تو اس نے دو خوبصورت دوشیزاؤں کو بیلوں کے جھنڈ سے قدم باہر رکھتے ہوئے دیکھا۔

خلاف توقع انھوں نے کچھا گچھا گھاس کی پھلیوں کو کھانا شروع کر دیا جو سبزہ زار میں اُگی ہوئی تھیں۔

ترس کھا کر وشاکھا ان کے پاس گیا ''یہ دلیا کھائیں۔'' انھیں دلیا دیتے ہوئے اس نے کہا۔

انھوں نے اسے شوق سے قبول کر لیا اور جب وہ کھانے لگیں تو وہ ان کے لیے پینے کا پانی لے آیا۔ وشاکھا اپنے تجسس کو زیادہ دیر تک نہ روک سکا۔ ''آپ کون ہیں اور یہ بے مزہ گھاس کھانے کے لیے مجبور کیوں ہیں۔؟'' اس نے پوچھا۔

''ہم ناگ سشروس کی بیٹیاں ہیں جو اس تالاب میں رہتے ہیں۔'' ان میں سے ایک نے جواب دیا۔ ''میں اراوتی ہوں اور یہ میری چھوٹی بہن۔ چندرلیکھا ہے۔ ہمارے پاس اچھا کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے تو ہمیں یہ گھاس کیوں نہیں کھانی چاہیے؟''

''تمھاری بدنصیبی کی وجہ کیا ہے؟'' وشاکھا نے پوچھا۔

''ہمارے والد آپ کو بتائیں گے اراوتی نے کہا۔ ''آپ ان سے تکشکا ناگ کی یاترا کے اتسو کے دوران مل سکتے ہیں۔ وہ جٹا دھاری ہیں جس سے پانی ٹپکتا رہتا ہے۔ اور ہم ان کے ہمراہ ہوں گے۔''

تب دوشیزائیں نظروں سے اوجھل ہو گئیں اور وشاکھا بے صبری سے تیوہار کا انتظار کرنے لگا۔ یوم معینہ پر اس نے نمائش بینوں اور رقاصوں کی بھیڑ بھاڑ میں تلاش کیا اور جلد ہی ناگ سشروس کو پہچان لیا۔

ناگ نے اس کا استقبال کیا۔ ''میری بیٹیاں آپ کے بارے میں بتا چکی ہیں۔'' اس نے کہا۔

''میں آپ کی بدنصیبی کا سبب جاننا چاہتا ہوں''، وشاکھا نے کہا۔ ''اگر میرے اختیار میں آپ کی مدد کرنا ہوگا

تو بخوشی میں ایسا کروں گا۔''

ناگ مسکرایا'' مجھے اس معاملے کو ایک راز نہیں بنانا چاہیے۔ جب میری بیٹیوں نے آپ کو اس راز میں شامل کرلیا ہے۔ کیا آپ اس رشی کو دیکھتے ہیں جو اس درخت کے قدموں میں بیٹھا ہوا ہے؟'' وشاکھا نے ہاں میں سر ہلا اور ناگ نے بات جاری رکھی۔'' وہ سامنے کے کھیتوں کی رکھوالی کرتا ہے اور وہ از خود نئی فصلوں کو ہاتھ لگاتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کو انھیں ہاتھ لگانے کی اجازت دیتا ہے۔ جب تک وہ ان نئی فصلوں کو نہیں کھاتا ہے ہم نہیں کھا سکتے ہیں۔ کیا آپ رشی کی قسم کو توڑ سکتے ہیں؟''

''میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔'' وشاکھا نے وعدہ کیا اور کھیت کے محافظ کو زیر کرنے کے طریقۂ کار پر غور کرتا ہوا چلا گیا۔ دوسرے دن جب رشی اپنی کٹیا میں تھا تو وشاکھا چپکے سے اندر آیا اور کچھ تازہ اناج کے دانے اس کھانے میں ملا دیے۔ جو باہر ایک دیگچی میں پک رہا تھا۔ اس کے بعد وہ چھپ گیا اور دور سے دیکھنے لگا۔ رشی کچھ دیر بعد نمودار ہوا اور دیگچی کو چولھے سے ہٹا کر کھانا کھانا شروع کر دیا۔ جیسے ہی اس نے ایسا کیا، ناگ سشر وس بارش کی شکل میں اچھی فصلوں کو بہا لے گیا۔ (کہا جاتا ہے کہ ناگ کھانا حاصل کرنے کے لیے آندھی طوفان کی شکل اختیار کرتے ہیں)۔

اگلے دن جب وشاکھا تالاب کے قریب ٹہل رہا تھا تو ناگ تالاب کی گہرائی سے نکلا۔'' آپ نے ہمیں

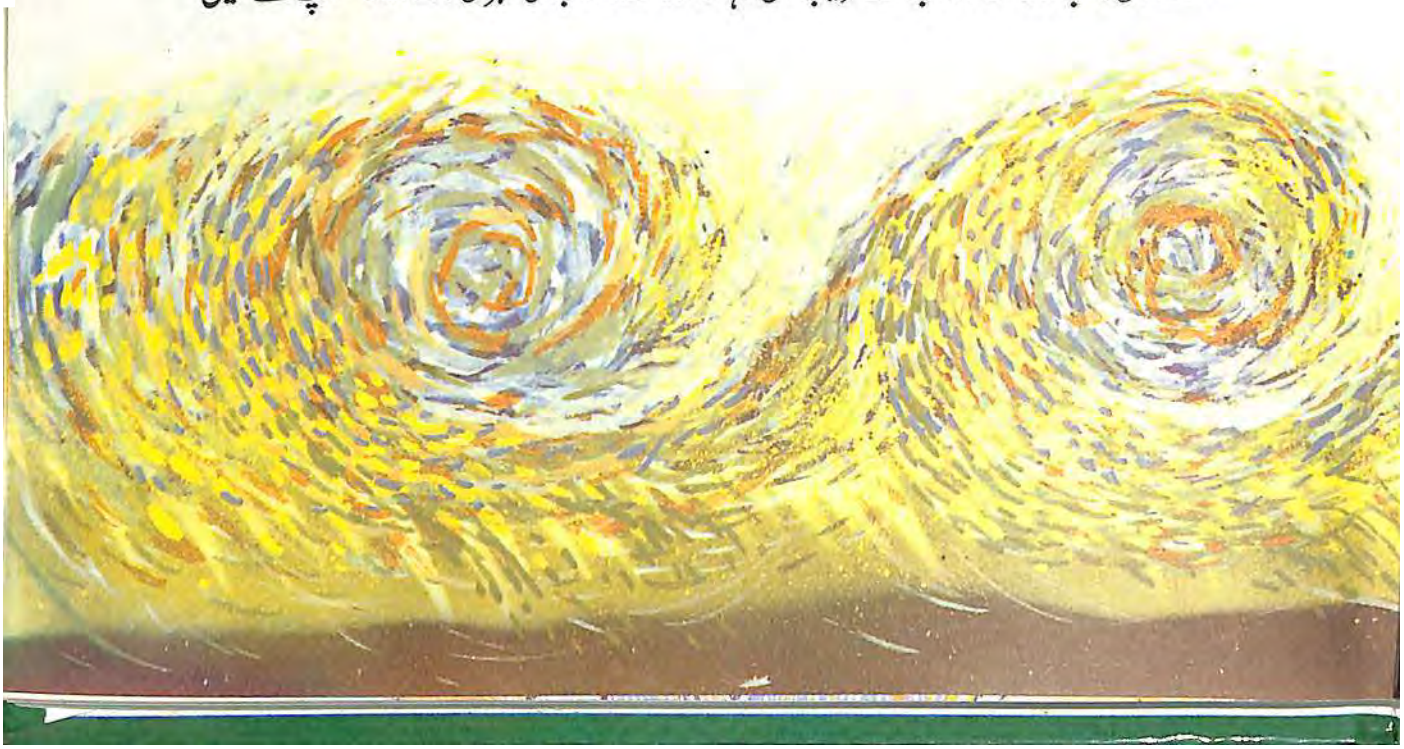

پریشانیوں سے نجات دلائی ہے۔'' اس نے کہا۔ ''ہمیں اپنے محل میں آپ کی آؤ بھگت کرنے کی اجازت دیں۔''

اس طرح وشاکھا نے ناگ کی زیرآب سلطنت میں کچھ دن گزارے۔ دونوں دوشیزاؤں نے اس کے قیام کو آرام دہ بنانے کی خاطر سخت جان محنت کیں۔ ایک دن وشاکھا ناگ کے پاس گیا'' آپ نے مجھے بہت خوشیاں دی ہیں''، اس نے کہا ''لیکن اب میں اپنے ملک واپس جانا چاہتا ہوں۔''

''براہِ کرم مجھے ایسا کرنے کی اجازت دیں۔''

''ایسا ہی ہو'' ناگ نے کہا۔ ''حالاں کہ ہم آپ کو جانے دینے سے دکھی ہیں۔ کیا کچھ اور ہے جس کی آپ خواہش رکھتے ہیں؟''

''میں آپ کی چھوٹی بیٹی چندرلیکھا سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' وشاکھا نے کہا۔

ناگ ہچکچایا۔ ''آپ اس رشتے کے مستحق ہیں'' اس نے کہا۔ ''تاہم ہم آپ کے بہت ممنون و مشکور ہیں اور میں آپ کو انکار نہیں کرسکتا ہوں۔ چندرلیکھا آپ کی ہے۔''

چندرلیکھا اور وشاکھا کی شادی جلد ہی ہوگئی اور یہ جوڑا ناگ کی دعاؤں اور بہت سارے مال و اسباب کے ساتھ نرپورا کے لیے روانہ ہوا۔ وہ ساتھ ساتھ رہنے سے خوش تھے اور من چاہی زندگی بسر کررہے تھے۔

ایک دن راجا کے سپاہیوں کا ادھر سے گزر ہوا اور ان کی نظریں خوبصورت چندرلیکھا پر پڑیں۔ جب انھوں نے اس کی اطلاع راجا کو دی تو اس نے اعلان کیا کہ ''ایسی خوبصورت عورت میری ملکہ ہونی چاہیے نہ کہ محض ایک براہمن کی۔''

بہت دیر سے نہ ہوئی تھی کہ ایک گھوڑا بھٹک کر وشاکھا کے مکان کے احاطے میں چلا آیا اور ان چاولوں کو کھانے لگا جو دھوپ میں سوکھ رہے تھے۔ چندرلیکھا دوڑی اور گھوڑے کو ایک تھپّڑ مارا۔ گھوڑا بھاگ گیا۔ لیکن اس کے جسم پر چندرلیکھا کے ہاتھ کے سنہرے نشان دکھائی دینے لگے۔ راجا کے جاسوس گھوڑے کو اس کے سامنے لائے۔

راجا سنہرے نشان کو آنکھیں گاڑ کے دیکھنے لگا۔ ''اتنی خوبصورت انگلیاں!'' وہ چیخ اُٹھا۔ ''اتنے کامل ہاتھ مجھے چندر لیکھا ضرور چاہیے۔ جاؤ اور میرے لیے اسے لے آؤ۔''

اس طرح وشاکھا سے راجا کے پیامبروں کے ذریعے پیش کش کی گئی۔ ''ہمارے راجا تمھاری بیوی کو چاہتے ہیں۔'' انھوں نے کہا۔ ''ہم اسے لینے آئے ہیں۔''

''میں اسے نہیں دوں گا''، وشاکھا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ''اپنے راجا سے کہو کہ وہ میری ہے۔''

جب راجا نے وشاکھا کے جواب کو سنا تو غصّے میں گرجا ''میں خود وہاں جاؤں گا اور اسے لے آؤں گا۔''

اس رات اس نے وشاکھا اور چندر لیکھا سے ملاقات کی۔ ''وشاکھا، میں تمھاری خوبصورت بیوی کو چاہتا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''اسے مجھے دے دو اور میں تمھیں ایک بہت مالدار آدمی بنا دوں گا۔''

''میں محض دولت کی خاطر چندر لیکھا سے جدا نہیں ہوں گا۔'' وشاکھا نے جواب دیا۔ ''مہاراج، اپنے رعیت کی حفاظت کرنا آپ کا فرض ہے نہ کہ انھیں اس طرح ستانا۔

''تم ضدی بیوقوف!'' راجا چلّایا۔ ''تم اس پر کفِ افسوس ملو گے!'' وہ غصّے میں چلا گیا اور چندر لیکھا ڈر سے کانپ اٹھی۔

''ہم کیا کریں گے؟'' چندر لیکھا نے روتے ہوئے پوچھا۔ ''پریشان مت ہو''، شاکھا نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا ''میں انھیں تمھیں کبھی نہیں لے جانے دوں گا۔''

کچھ گھنٹوں بعد میاں بیوی سپاہیوں کے شور وغل کی آواز سے جاگ اٹھے۔ ''وہ تمھیں زبردستی لینے آ گئے ہیں۔'' وشاکھا نے پھسپھسایا۔ ''آؤ، ہم عقبی دروازے سے بھاگ چلیں۔''

وہ گھر سے باہر آ گئے اور گھنی جھاڑ جھاڑیوں سے گزرتے ہوئے رات میں اس وقت تک بھاگتے رہے جب تک کہ وہ ناگ کے تالاب پر پہنچ نہیں گئے۔ وہ اس میں کود پڑے اور ناگ کی سلطنت میں داخل ہو گئے۔

جب ناگ نے پریشان جوڑے کو دیکھا تو وہ غصّے میں اندھا ہوا اٹھا۔ اس کی شکل سے صبح ہی آسمان پر گھنے بادل چھا گئے اور زمین تاریکی میں ڈوب گئی۔ اس نے اس قصبے اور وہاں کے راجا کو جلانے کی غرض سے خوفناک

کڑکتی بجلیوں کی بارش کی۔ لوگوں کے رونے پیٹنے نے ہواؤں کو چیر ڈالا۔ جب وہ اٹھتی ہوئی آنچوں سے نجات پانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ندی وتستا جلد ہی جلے ہوئے لوگوں اور جانوروں کی لاشوں سے بھر گئی۔

''ہمیں اس مقام سے چل دینا چاہیے۔'' ناگ سشروس نے وشاکھا سے کہا۔ ''ہم ایک نیا گھر تلاش کریں گے۔''

وہ جھیل آج بھی موجود ہے جہاں انھوں نے دور کے پہاڑ پر اپنا نیا گھر بنایا تھا۔ جماتری سارس اسی جھیل کے قریب ہے جہاں وشاکھا رہتا تھا جو سشروس کی کرم فرمائی سے ناگ بن گیا تھا۔ جہاں تک راجا کا تعلق ہے تو وہ اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں ناگ کی لڑکی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی جسارت کرنے کی وجہ سے نیست و نابود کر دیا گیا تھا۔

ایک عورت کی حکومت

یہ بھگوان کرشنا کی کہانی ہے کہ وہ کیسے ایک دفعہ کشمیر کی سرزمین کے بدترین دشمن ہو گئے۔

راجا گونند بدکار راجا جراسندھ کے رشتے دار تھے جس سے کرشن جنگ آزما تھے۔

''مجھے جراسندھ کی کمک کے لیے ضرور جانا چاہیے۔'' راجا گونند نے اپنے دربار کو بتایا۔

''لیکن مہاراج'' اس کے وزیروں نے احتجاج کیا۔'' جراسندھ بُرا اور بے رحم ہے۔ بھگوان کرشن کی اس سے خفا ہونے کی یہی وجہ ہے۔ کرشن کے خلاف افواج میں شامل ہونا غلط ہے۔''

''میں یہ سب کچھ جانتا ہوں،'' گونند نے کہا۔ ''لیکن جب ایک رشتہ دار مدد کی دوہائی دیتا ہے تو میں اسے نظر انداز نہیں کر سکتا ہوں۔''

جراسندھ کی مدد کرنا میرا فرض ہے۔'' اس نے خاموش دربار کی طرف دیکھا اور اپنے وزیروں کے غم زدہ چہروں سے متاثر ہوا۔ ''مجھے ابھی ہی جانا چاہیے'' اس نے کہا، ''اگر خدا نے چاہا تو میں واپس آؤں گا۔ سب کچھ وہی ہوگا جو تقدیر میں لکھا ہے۔''

وزراء مغموم رہے۔ گونند کی جنگ میں شجاعت سب پر ظاہر تھی۔ وہ اس سرزمین کا سب سے طاقت ور حکمراں تھا تاہم اس کی طاقت، شرافت اور ترحم سے ملی جلی تھی جس کی وجہ سے سبھی لوگ اسے پسند کرتے تھے۔

جلد ہی گونند نے بہت بڑی فوج کے ساتھ متھرا کی جانب کوچ کیا۔ کئی دنوں کی مسافت کے بعد وہ اپنی منزل مقصود کو پہنچے اور کالندی (جمنا) ندی کے کنارے خیمہ زن ہوئے۔ قصبے کے اندر ابتری طاری تھی۔ ''یہ راجا ہمیں نیست و نابود کر دے گا۔'' لوگوں نے افسوس ظاہر کیا۔ ''متھرا تباہ و برباد ہونے والا ہے۔''

جب گونند نے قصبے پر حملہ کیا تو پیشن گوئی سے کہیں زیادہ بربادی واقع ہوئی۔ متھرا کے سپاہیوں کو کچل ڈالا گیا اور لوگ گونند کے ہاتھوں انتقام سے بچنے کی خاطر افراتفری کے عالم میں بھاگنے لگے۔ تب کرشن کے بھائی بلرام نے لوگوں کی مدد کے لیے فوج کی شیرازہ بندی شروع کی۔

''ہمت مت ہارو''، انھوں نے برباد سپاہیوں سے کہا۔ ''میں گونند کو جنگ میں پھنسا کے رکھوں گا اور اس طاقت ور دشمن کو نیست و نابود کر دوں گا۔'' چناں چہ مسلح ہو کر بلرام میدان جنگ میں داخل ہوئے اور گونند کو لڑنے کے لیے للکارا۔ دونوں کے درمیان جنگ کا نظارہ ڈراؤنا تھا۔ آخر کار بلرام نے گونند کو زخمی اور پسپا کر دیا اور آخری روز میں اسے کھدیڑ دیا جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔

اپنی فتح پر متھرا نے جشن منایا جب کہ کشمیر غم میں ڈوبا ہوا تھا۔ گونند کے بیٹے دامودر کی کشمیر کے راجا کی حیثیت سے اس وقت تاج پوشی کی گئی جب اس کی آنکھوں سے طیش کے آنسو بہہ رہے تھے۔

''میں اپنے والد کی موت کا انتقام لوں گا۔'' اس نے اپنی بیوی یشودتی سے کہا۔ ''میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک ایسا نہیں کروں گا۔''

یشووتی نے پریشانی اور بے اطمینانی محسوس کی۔ وہ اپنے شوہر کے ضدی پن اور غرور کو جانتی تھی اور بہت بُرا ہونے سے خوف کھاتی۔

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، وزراے اپنے دکھ درد کو بھولتے گئے۔ دامودر خود کو اپنے والد کی طرح طاقت ور اور قابل ثابت کر رہا تھا۔ اور وزراء اس سے مطمئن تھے۔ ''سلطنت محفوظ ہاتھوں میں ہے''، انھوں نے کہا۔ ''راجا، دامودر نے کامیابی سے اپنے والد کی جگہ کو پُر کر دیا ہے۔''

''مجھے اس وقت تک سکون حاصل نہیں ہوسکتا ہے جب تک میں اپنے باپ کے موت کا انتقام نہیں لے لیتا ہوں۔'' دامودر نے جواب دیا۔

''گزرے ہوئے کل کے بارے میں مت سوچو''، یشووتی نے خبردار کیا۔ ''آنے والے کل کے بارے میں فکر کرو۔ جلد ہی ہمارے ایک بچّہ ہو جائے گا۔ کیا یہ دکھ کو پالنے سے زیادہ اہم نہیں ہے؟''

جلد ہی جب دامودر دربار میں تھا تو اس کے افواج کا کمانڈر اس کے پاس آیا۔ ''مہاراج! ہم نے سنا ہے کہ گاندھروں نے سویمبر میں ورشنوں (یادووں) کو مدعو کیا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''وہ آچکے ہیں اور سندھ ندی کے کنارے پر پڑاؤ ڈالا ہے۔''

دامودر کی آنکھیں اچانک دلچسپی سے چمک اُٹھیں۔ ''تو یادو یہاں ہیں''، اس نے کہا۔ ''کرشن ان کے ساتھ ضرور ہوں گے۔ اب یہ میرے لیے حملہ کرنے کا وقت ہے۔'' اس نے زور سے کہا۔ ''فوج کو تیار کرو۔ ہم اسی وقت ان پر حملہ کریں گے۔''

یشووتی نے اپنے شوہر کو دور سے فوج کے سپہ سالار کی حیثیت سے دیکھا جس کا چہرہ پختہ ارادے سے دمک رہا تھا۔ اس نے اسے روکنے کی کوششیں کیں لیکن وہ بہ ضد رہا۔ ''یشووتی، مجھے جانے دو''، اس نے کہا ''میں نے انتقام لینے کے لیے بہت انتظار کیا ہے۔''

دامودر اور اس کے سپاہی اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگاتے ہوئے گاندھروں کی جانب سرپٹ بھاگ رہے تھے۔

دھول کے بڑے بادل اٹھے اور انھیں جو گھوڑوں پر سوار تھے، ڈھانپ لیا۔ آخر کار وہ دشمنوں کے خیمے میں پہنچ گئے۔ جہاں ان کی آمد سے افراتفری پھیل گئی۔ جب یادووں نے اپنے اسلحے اٹھائے اور میدانِ جنگ میں مورچہ سنبھالا تو آہ و پکار نے فضا کو چیر ڈالا۔ دامودر نے اچانک کرشن کو دیکھا۔ وہ اکیلے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے پر امن وسکون کی جھلک تھی۔ تبھی کرشن کی برہم راجا سے آنکھیں چار ہوئیں اور وہ مسکرائے۔

''وہ مجھے چڑھانے کی کوششیں کرتا ہے!، برہم دامودر نے خیال کیا۔ غصّے سے چیخ کر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر کرشن کے پاس گیا اور انھیں لڑنے کے لیے للکارا۔

وہ لوگ جنھوں نے دامودر اور کرشن کے درمیان جنگ کو دیکھا، انھیں گونند اور بلرام کے مابین زبردست ٹکراؤ کی یاد آئی۔ پہلے کی طرح جنگجو ایک جیسے تھے اور معاملہ غیر یقینی رہا۔ دامودر کے ہاتھوں کو غصّے اور انتقام نے

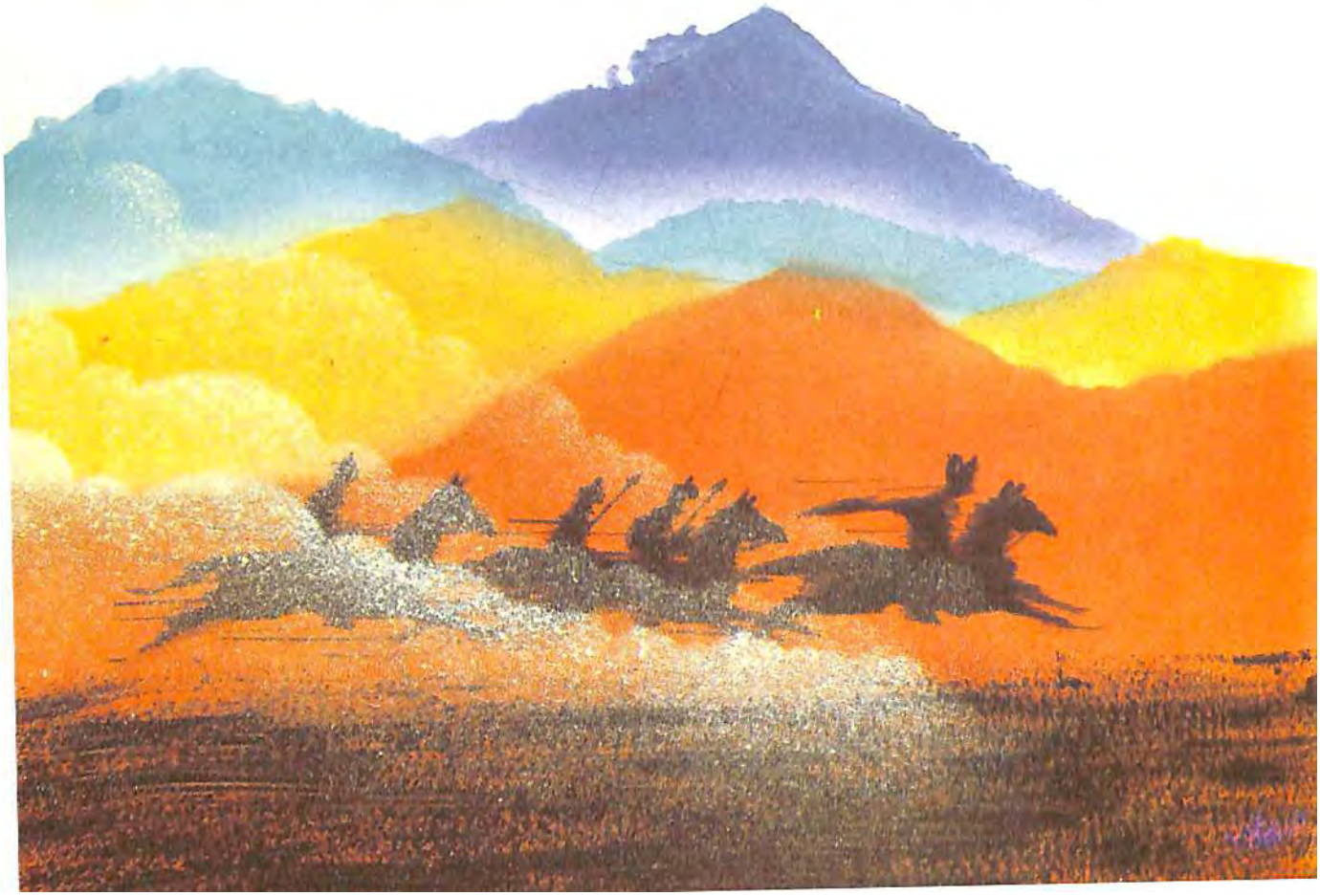

طاقت بخشی اور وہ مرد آہن کی طرح لڑا۔ تاہم وہ جلد ہی کرشن کے شدرشن چکر کا شکار ہوا اور انھیں کے قدموں میں جان بحق ہوا۔

دونوں فوجیں جدا جدا ہوئیں اور کشمیر کی فوج غم میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کرشن نے تب ان کی طرف ایک رحم کی نظر سے دیکھا اور کہا ''میری اپنے ملک کے لیے قیادت کرو۔ آج مجھے وہاں کچھ کرنا ہے۔''

غم زدہ سپاہیوں نے کرشن اور ان کے نوکروں کی اپنے یتیم ہوئے ملک کے لیے اگوائی کی۔ محل کے جھروکے سے یشوتی نے انھیں آتے ہوئے دیکھا اور اس کا دل غم سے بھر گیا۔

''میرے شوہر مر چکے ہیں''، اس نے سوچا۔ میرا غیر مولود بچہ کبھی بھی باپ والا نہیں ہوگا۔'' اس نے اپنے آنسوؤں کو ضبط کرنے اور خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ مگر جب کرشن اس کے پاس آئے تو اس کا دکھ آنسوؤں کی تیز دھارا میں پھوٹ پڑا۔

''میری بچی''، کرشن نے نرمی سے کہا ''اس کے لیے غم مت کرو۔ اس نے آخر کار شانتی حاصل کر لی ہے۔''

اس سچ کو جان کر یشووتی کو تسلی ہوئی۔ بھگوان کرشن نے کہا ''تمھیں وہ کام ضرور پورا کرنا ہے جو اب میں تمھارے لیے طے کرتا ہوں۔ تم اپنے شوہر کی جگہ گدی سنبھالو گی۔''

جب یشووتی نے یہ غور کیا تو صدمہ اور حیرانی اس کے دماغ پر چھا گئی۔ وہ ایک حکمراں؟ وہ اس کام کو کیسے قبول کر سکتی ہے؟ لوگ کیا کہیں گے؟''

تب اس نے کرشن کے چہرے کو دیکھا اور وہاں سے طاقت اور ہمت حاصل کی۔ ''میں ویسا ہی کروں گی جیسا آپ کہیں گے۔'' اس نے پختہ ارادے سے کہا۔ ''تو میرے ساتھ آؤ۔'' کرشن نے کہا اور خالی تخت تک اسے لے گئے۔ درباریوں کی بھوچکّی آنکھوں کے سامنے انھوں نے پجاریوں کو اس کی تاج پوشی کی رسم ادا کرنے کو کہا۔ آخر میں کرشن نے تاج اس کے سر پر رکھا اور دوسروں کی جانب مڑے۔ ''اب یہ تم لوگوں کی حکمراں ہے'' انھوں نے کہا۔

احتجاج کی ہلکی آواز ایوان میں اُٹھی۔ ''تخت پر ایک عورت؟' وزیر چیخے۔ ''کرشن، یہ کیسے ہو سکتا ہے، وہ حکومت نہیں کر سکتی ہے۔''

کرشن نے خاموش لڑنے کے لئے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ ''کشمیر کی یہ زمین پاروتی خود ہے۔'' انھوں نے کہا۔ ''میں ایک عورت کو ان کے تخت پر بٹھا کر اُنہیں عزت دے رہا ہوں۔''

ان لفظوں نے لوگوں کو خاموش کر دیا۔ جب یشووتی نے چاروں طرف دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ لوگوں کی آنکھیں اسے عزّت سے دیکھ رہی ہیں۔ غیرت کے آنسو اس کی آنکھوں میں چبھن پیدا کرنے لگے اور اس کا چہرہ ایک نئی وابستگی سے چمک اٹھا۔ کرشن نے دربار کا جائزہ لیا اور پایا کہ اب یہاں آزردگی کا شائبہ بھی نہیں۔ مطمئن ہو کر انھوں نے نئے حکمراں اور اس کی رعیت کو دعائیں دی اور وہاں سے رخصت ہو گئے۔

مہینوں بعد یشووتی کے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اس نے اسے بڑے فخر سے دیکھا ''تم اپنے دادا کا نام زندہ رکھو گے۔'' اس نے کہا۔ ''ایک دن تمھیں اس عظیم الشان تخت پر براج مان ہونا ہے اور ان کی طرح اس سرزمین پر حکومت کرنی ہے۔''

اور شیر خوار گونند نے اسے دیکھا اور مسکرایا۔

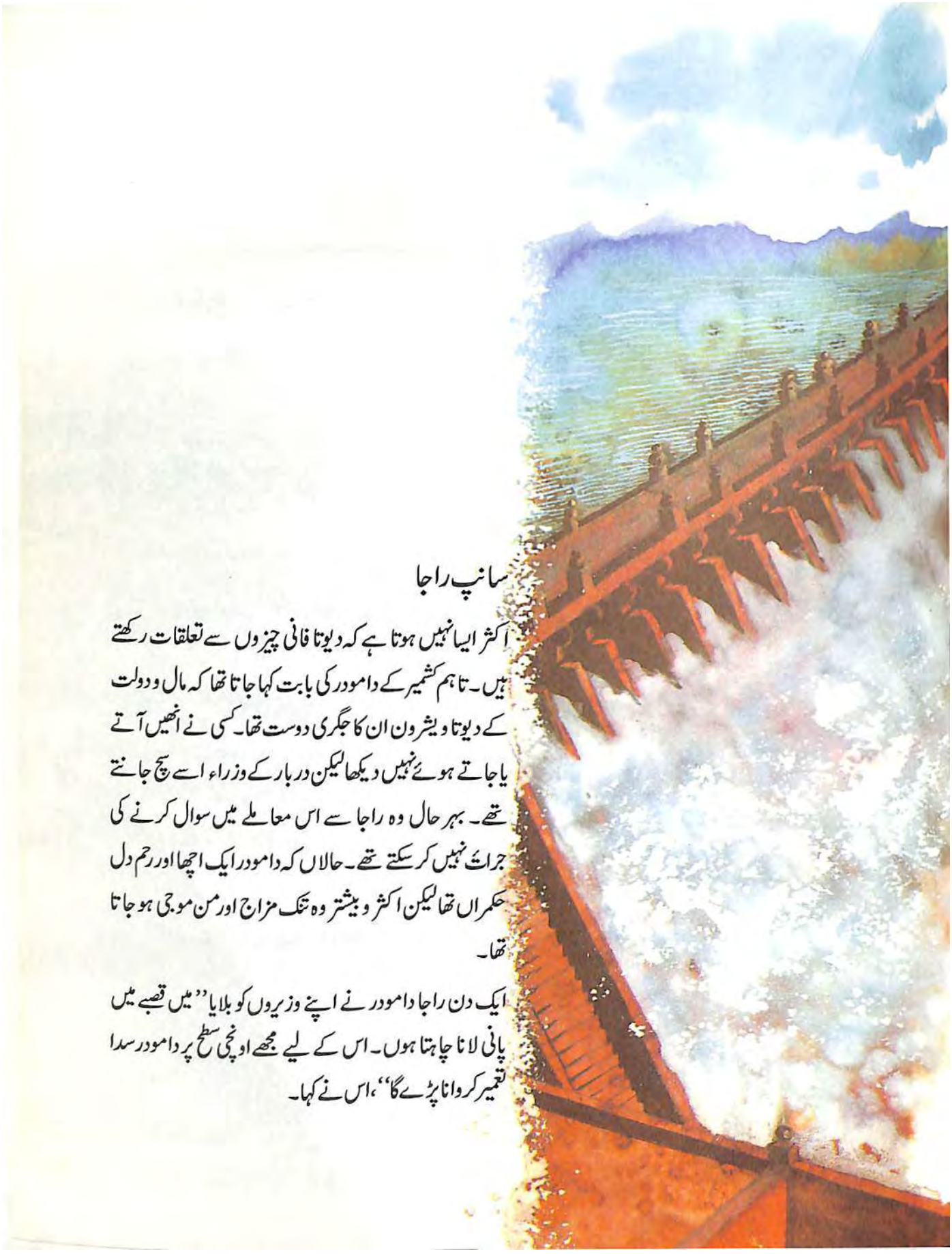

سانپ راجا

اکثر ایسا نہیں ہوتا ہے کہ دیوتا فانی چیزوں سے تعلقات رکھتے ہیں۔ تاہم کشمیر کے دامودر کی بابت کہا جاتا تھا کہ مال و دولت کے دیوتا ویشرون ان کا جگری دوست تھا۔ کسی نے انھیں آتے یا جاتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن دربار کے وزراء اسے سچ جانتے تھے۔ بہر حال وہ راجا سے اس معاملے میں سوال کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ حالاں کہ دامودر ایک اچھا اور رحم دل حکمراں تھا لیکن اکثر و بیشتر وہ تنک مزاج اور من موجی ہو جاتا تھا۔

ایک دن راجا دامودر نے اپنے وزیروں کو بلایا ''میں قصبے میں پانی لانا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے مجھے اونچی سطح پر دامودر سدا تعمیر کروانا پڑے گا''، اس نے کہا۔

''مہاراج، وہ ایک ناممکن کام ہے''، انھوں نے ٹوکا—— اردگرد پانی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔''

''اگر ایسا ہے تو میں بند کے ذریعے وہاں پانی لاؤں گا''، راجا نے کہا۔

''ہم فوری طور پر اس پر کام شروع کر دیں گے۔''

''مہاراج، یہ فوری طور پر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں مزدوروں کا انتظام کرنا ہے اور.....''

''ان کی کوئی ضرورت نہیں''، راجا نے مداخلت کی۔ ''یہ کام گوہیا کاس کے ذریعے کیا جائے گا۔''

یہ جان کر گوہیا کاس جو نیم دیوتاؤں کے مانند ہیں اور ویشرون کی خدمت پر مامور ہیں، وزراء وحشت زدہ خاموشی میں ڈوب گئے۔ قلیل مدت میں ایک لمبا بند تعمیر کر لیا گیا۔

'ہم اس بند کو گداسیتو پکاریں گے۔'' راجا نے اعلان کیا۔ ''اب پانی قصبے میں آسانی سے مہیا ہوگا۔''

''راجا مہان ہے!'' لوگوں نے گن گائے اور دامودران کی تعریفوں پر فخر سے پھول گیا۔ ''کچھ بھی اس کے لیے مشکل نہیں ہے۔ وہ دیوتاؤں کا چہیتا ہے۔ انھیں اس آفت کے بارے میں ذرا بھی علم نہیں تھا، جو ان کے محبوب راجا پر جلد ہی آنے والی تھی!

ایک دن جب راجا وستاندی میں نہانے کے لیے روانہ ہو رہا تھا تو براہمنوں کی ایک ٹولی اس کے سامنے آئی۔ ''اے راجا، ہم بھوکے ہیں۔'' ایک نے کہا—— ''نہانے سے قبل ہمیں کھانا دے دو۔ تمھیں دعائیں دیں گے۔''

راجا نے بے صبری سے اپنا سر ہلایا۔ ''اے براہمنوں، میں نہانے کے لیے بیتاب ہوں''، اس نے کہا۔ ''میں نے ابھی ہی ایک موت کے واقعہ سے متعلق رسم ادا کی۔'' ابھی میں آپ کی خواہش پوری نہیں کر سکتا ہوں۔ براہِ کرم، مہربانی کر کے میرے نہا لینے تک انتظار کریں۔''

براہمنوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ تب انھوں نے اسے مخاطب کیا، ''ہم ندی کو تمھارے سامنے لا دیں گے اگر تم اس کے پانی کو دیکھنے کے لیے اتنا پریشان ہو۔''

راجا نے ناک بھوں چڑھائیں لیکن جواب نہ دیا۔ اچانک اس کی نظروں کے سامنے وتساندی کا پانی چمکتا اور زور مارتا ہوا دکھائی دیا۔ راجا نے بے چینی میں خوبصورت ندی کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھا جب کہ اس کے ہمراہ وزیر تعجب میں زور سے چلّائے۔ یہاں وتستا ہے'' ایک براہمن نے کہا۔ اب جب وہ تمھاری آنکھوں کے سامنے ہے تو ہمیں بھوک مٹانے کے لیے کھانا دے دو۔''

''یہ محض جادوگری ہے۔ راجا ندی سے نظریں پھیر کر چلّایا۔'' یہ وتستا ندی کیسے ہوسکتی ہے؟''

ہم لوگ اپنی روحانی طاقت سے اسے یہاں لائے ہیں؟ براہمنوں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ تمھیں ہم میں یقین کرنا چاہیے۔ ہم تمھیں بے وقوف کیوں بنانا چاہیں گے؟''

راجا نے اپنے سر سے انکار کا انداز اختیار کیا۔ وہی ہو جیسا کہ یہ ہوسکتی ہے لیکن جب تک میں نہا نہیں لیتا ہوں اس وقت تک کھانا نہیں دوں گا''، اس نے کہا۔'' اے براہمنوں یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔ براہمنوں کی آنکھیں غصّے سے شعلہ فشاں ہوگئیں۔'' تم متکبّر اور من مانی ہو'' انھوں نے کہا۔ جیسا کہ تم نے اس طرح کہا ہے ہم تمھیں بددعا دیتے ہیں۔ تم ایک سانپ بن جاؤ گے۔''

راجا نے پہلے تعجب میں اور پھر بڑھتے ہوئے ڈر سے انھیں آنکھیں پھاڑ کر دیکھا'' نہیں!'' وہ چلّایا۔'' فاضل براہمنوں، مجھ پر رحم کرو۔ مجھے میری غلطی کے لیے معاف کردو۔ میں تمھیں ابھی کھانا کھلاؤں گا۔ اپنے سخت الفاظ واپس لے لو۔'' وہ دوڑا اور ان کے پیروں پر گر پڑا۔

وزیروں اور دوسرے لوگوں نے متین چہرے والے براہمنوں کو بت جیسی خاموشی میں دیکھا۔

''ہمارے محبوب راجا کو مت چھینو''، ایک وزیر نے عاجزی کی جس کے چہرے پر آنسو بہہ رہے تھے۔'' اے محترم! براہمنوں، اپنی بددعا کو واپس لے لو۔''

''ہم اپنی بددعا کو منسوخ نہیں کریں گے''، ایک براہمن نے کہا۔'' لیکن ہم اس کے لیے ایک وقت مقرر

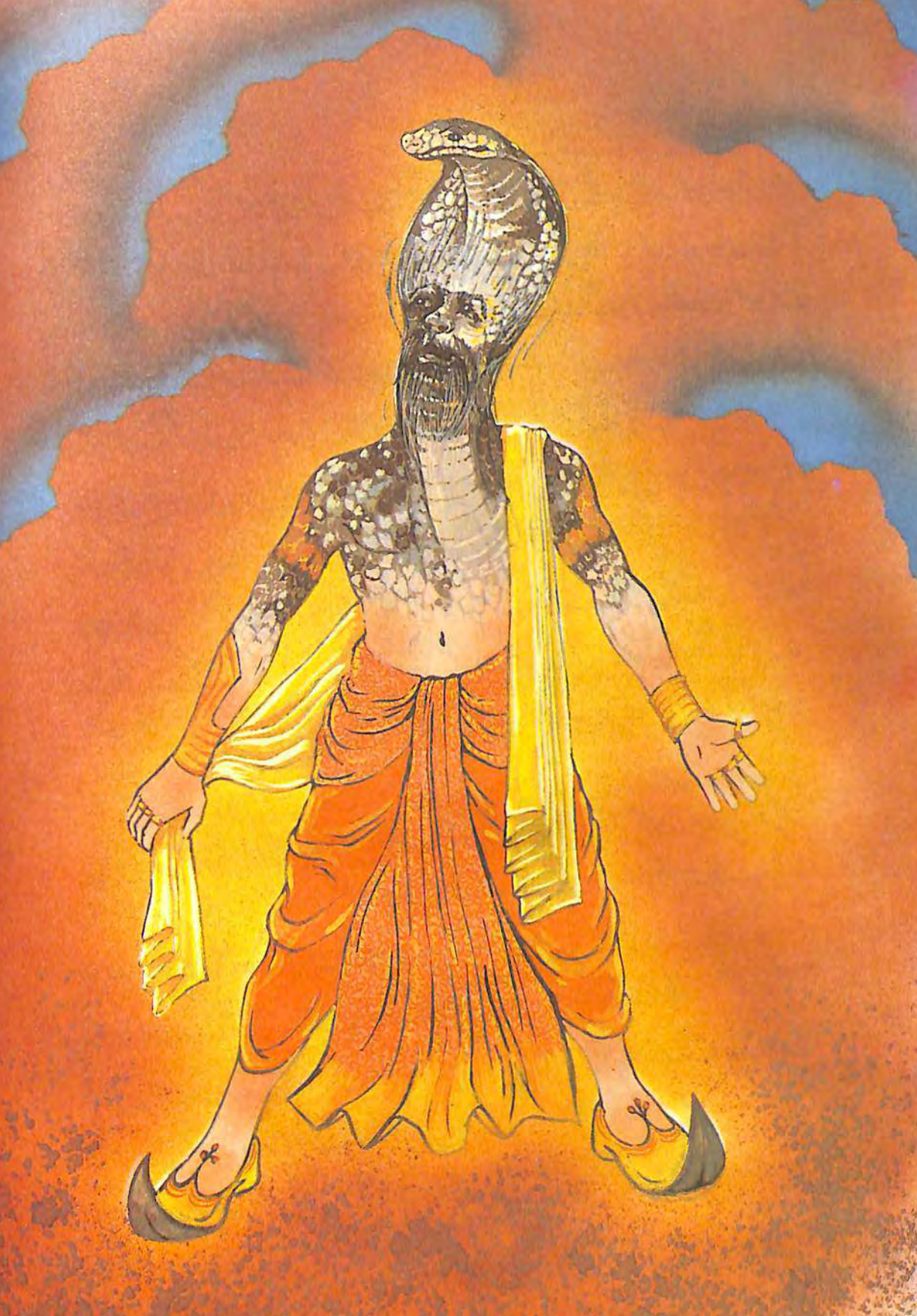

کر دیں گے۔ جب راجا رامائن کی پوری کہانی کو ایک دن میں پڑھوا کر سنے گا تو ہماری بددعا ختم ہو جائے گی۔ تب تک وہ سانپ ہی رہے گا۔''

آج تک لوگ سانپ راجا کو اس کی گرم سانسوں سے پہچانتے ہیں جب وہ پانی کی تلاش میں دامودر سدا آج کے دمدار اُدار پر ہر جگہ دوڑتا پھرتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ رامائن شیوراتری تہوار کی ایک رات کو اس کے لیے پڑھوائی جاتی ہے۔ جب تک یہ نہیں کیا جاتا ہے وہ ان خشک اور بنجر زمینوں میں پہلے کی طرح بیتاب اور بے صبر گھومتا پھرتا رہے گا۔

آدمی جو مر کر راجا بن گیا

کسی زمانے میں سمدھی متی نام کا ایک آدمی تھا جو اپنی عقل مندی سے کشمیر میں راجا جیندر کا وزیر ہو گیا۔ راجا نے اپنے قابل وزیر کو اعزاز و انعام سے خوب نوازا جس کے نتیجے میں دربار کے دوسرے افسران اس سے حسد رکھنے لگے۔ ایک دن قانون کا افسر راجا کے پاس گیا اور کہا ''مہاراج آپ کو سمدھی متی سے خبردار رہنا چاہیے۔ وہ اپنی نظر تخت پر جمائے ہوئے ہے اور ایک دن وہ آپ کا اقتدار چھین لے گا۔''

راجا نے غصے میں افسر کو برخاست کر دیا لیکن یہ الفاظ اس کے دماغ میں گونجتے رہے۔ کیا ہوگا۔ اگر سمدھی متی کی وفاداری جھوٹی ہوئی؟ کیا ہوگا، اگر وہ تخت کے لیے بُری نگاہ رکھتا ہو؟ راجا نے بے چینی میں رات بسر کی لیکن صبح کو وہ مصمّم ارادہ کر چکا تھا۔

دربار میں داخل ہوتے ہی اس نے سمدھی متی کو مخاطب کیا ''دفع ہو جاؤ'' تم اب میرے وزیر نہیں رہے۔ تمہارا گھر، مال واسباب حتیٰ کہ تمھارے قبضے میں جو کچھ ہے وہ اب سب میرا ہے۔''

سمدھی متی راجا کے سامنے کھڑا رہا۔ اس کی آنکھیں غم سے بھری ہوئی تھیں۔ وہ دوسروں کے حسد سے آگاہ تھا اور جانتا تھا کہ یہ اس کے خلاف ایک سازش تھی۔ تاہم اس نے بحث وتکرار کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی اور تھوڑا جھکتے ہوئے وہ مڑا اور چل دیا۔

راجا نے اسے جاتے ہوئے دیکھ کر دکھ محسوس کیا لیکن قانون افسر حاضر تھا۔ ''مہاراج دیکھو، وہ کتنا گستاخ ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''اس کے پاس اپنی دفاع میں کہنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔''

اور راجا کا غصہ ایک بار پھر تیز ہو گیا۔

جلد ہی ایک افواہ سمدھی متی کے بارے میں گھر گھر پھیل گئی اور پھیلتی ہی گئی یہاں تک یہ راجا کے کانوں تک پہونچ گئی۔

''لوگ سمدھی متی کے بارے میں کیا کیا کہہ رہے ہیں۔'' جیندر گرجا۔

''مہاراج''، ایک افسر نے جسارت کرتے ہوئے کہا ''ایک بُری افواہ ہے جس کے مطابق ''سلطنت سمدھی متی کی ہوگی۔''

راجا کا چہرہ غصّے سے لال ہو گیا۔ ''یہ افواہ کس نے پھیلائی ہے؟'' وہ چیخا۔

''مہاراج، سمدھی متی کے علاوہ یہ اور کون پھیلا سکتا ہے؟ وہ اب بھی آپ کو للکارنے کی خواہش کرکھتا ہے''، بدمعاش قانون افسر نے کہا۔

راجا اپنے پیروں پر اچھل پڑا۔ سمدھی متی کو جیل میں ڈال دو۔ اس نے حکم دیا۔

بے بس سمدھی متی کو اس کی جھونپڑی سے پکڑا گیا اور اس کے پیروں میں بیڑیاں ڈال کر کال کوٹھری میں ڈال

دیا گیا۔ دن مہینوں، اور مہینے برسوں میں بدلتے گئے۔ اپنی بے رحم قید سے کمزور اور پھٹے حال سمدھی متی نے اپنے جوش وولولے کو بھگوان شیو کے خیالوں سے زندہ رکھا۔

دس برس اس طرح سے گزر گئے۔ اس دوران جیندر ایک جان لیوا بیماری کا شکار ہو گیا۔ وہ اپنے سوفے پر پڑا رہتا اور اس کا جسم درد سے جلتا رہتا۔ ''افسوس! ہمارے پاس میری جگہ لینے والی کوئی اولاد نہیں ہے۔'' اس نے اپنی رانی سے افسوس ظاہر کیا۔ یہ خیال مجھے ستاتا ہے۔

''یہی محض ایک چیز نہیں ہے جو آپ کو پریشان کرتی ہے''، عقل مند رانی نے جواب دیا۔ ''آپ سمدھی متی کے بارے میں بھی پریشان ہیں۔''

''میں نہیں ہوں! میں اس سے نفرت کرتا ہوں!'' راجا چلایا۔ میں یہ ایسا انتظام کر دوں گا کہ وہ میری جگہ کبھی بھی نہیں لے سکے گا۔''

دوسرے دن راجا نے جلاد کو چپکے سے بلایا۔ ''سمدھی متی کو موت کے گھاٹ اتار دو''، اس نے کہا۔ ''یہ کام رات میں کرنا تا کہ اس کی خبر عوام کو نہ ہو۔''

راجا کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ سمدھی متی کو جلاد اور اس کے آدمیوں نے غیر مہذب طریقے سے جگایا، پھانسی کے کھمبے تک گھسیٹا اور قتل کر دیا۔ راجا خوش ہوا جب اس نے اس کام کو سنا۔ چند گھنٹوں بعد وہ مر بھی گیا اور ریاست بغیر حکمراں کے ہو گئی۔

دریں اثنا سمدھی متی کے موت کی خبر ایک دوست کے توسط سے اس کے گرو، اشان تک پہنچی۔ ''افسوس!'' اشان نے تاسف کا اظہار کیا۔ میرے قابل بیٹے! تم نے بہت زیادہ تکلیف اُٹھائی ہے۔ ایسا اچھائی کے ساتھ ہمیشہ ہوتا ہے۔''

مزید غور وخوض سے عاری ہو کر اشان اپنے شاگرد رشید کی تجہیز وتکفین کی رسوم ادا کرنے کی خاطر قبرستان گیا جو شہر کے دور افتادہ علاقے میں واقع تھی۔ جب وہ وہاں پہنچا تو رات ہو چکی تھی۔ کچھ لمحوں تک وہ سمدھی متی

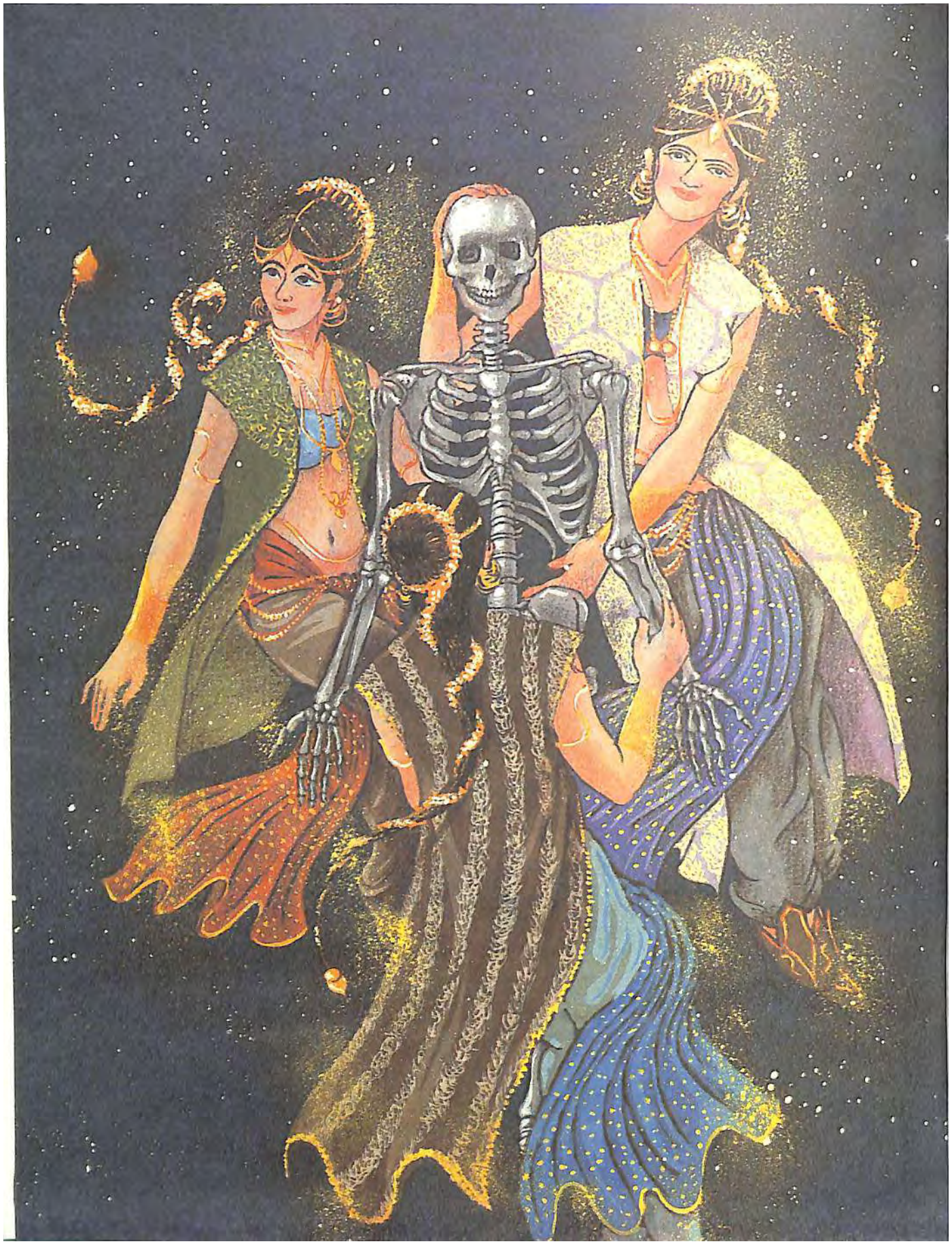

کی لاش کی شناخت میں ناکام رہا۔ وہ مقام تاریکی اور جانوروں کی خوف ناک آوازوں سے وحشت ناک ہو رہا تھا۔

اچانک اس نے کافر سولی کے کھمبے کے گرد بھیڑیوں کے ایک گروہ کو اکٹھا ہوئے دیکھا۔ اس نے اپنے آپ ایک مضبوط ڈنڈا توڑا اور ان کی جانب چل پڑا۔ جیسے ہی وہ آگے بڑھا سمدھی متی کی لاش پر اس کی نظر پڑی جسے بھیڑیے گھیرے ہوئے تھے۔ غم اور غصّے سے اس کا دل بھر گیا۔ وہ زور سے چلّایا اور ڈنڈے سے جانوروں پر حملہ آور ہوا۔ ہو، ہاں کرتے اور غرّاتے ہوئے وہ تتر بتر ہو گئے اور جلد ہی وہ وہاں سے چلے گئے۔

اشان نے لاش کو احتیاط سے اٹھایا۔ وہ اسے دور کنارے پر لے گیا اور چتا تیار کرنے کی خاطر لاش کو زمین پر لٹا دیا۔ جیسے ہی وہ جھکا، اس کی نظر سمدھی متی کے ماتھے کی کچھ لکیروں پر پڑی۔

نیچے جھک کر اسے یقین ہوا کہ اس کی پیشانی پر حیرت انگیز طریقے سے اشلوک کندہ تھے۔ اشلوک کہتے تھے کہ ''وہ غربت کی زندگی، دس برس کی قید، کافر سولی کی موت اور اس کے بعد وہ بھی تخت پائے گا۔

متعجب ہو کر اس نے محسوس کیا کہ اس کی پیشن گوئی کا تین چوتھائی حصہ صحیح ہو چکا تھا۔ وہ خدا کے پراسرار کاموں پر حیران ہوا اور یہ جاننے کا خواہش مند بھی کہ آیا پیش گوئی کا آخری حصہ بھی سچ ہوگا۔ ان اشلوکوں کے کچھ مطلب ضرور ہوں گے۔ اس نے سوچا۔ ''میں، کیا ہوتا ہے، کو دیکھنے کا انتظار کروں گا۔''

وہ مقام اور تاریکی سے قطع نظر سخت زمین پر بیٹھ گیا اور لاش کو غور سے دیکھنے لگا۔ نیند اس کی آنکھوں سے دور رہی حالاں کہ وقت گذرتا گیا۔ اچانک اشان نے آسمانی خوشبوؤں کی مہک سونگھی۔ جیسے ہی اس نے سانس لی، بہت سی گھنٹیوں کی ٹنٹناہٹ اور نقاروں کی مہیب چوٹوں کی آواز نے اسے بہرہ کر دیا۔ اس نے خوف سے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور جب اس نے انھیں کھولنے کی جسارت کی تو اس نے اپنے سامنے کچھ عورتوں کو روشنی کے ہالے میں گھرا ہوا دیکھا۔ وہ سمدھی متی کے ڈھانچے کو لے جا رہی تھیں۔

''یہ ضرور چڑیلیں ہوں گی''، اشان نے سوچا۔ ''وہ سمدھی متی کے ساتھ کیا کر رہی ہیں؟'' وہ اپنی تلوار کھینچ کر کانپتا ہوا آگے بڑھا۔

جب وہ ایک پیڑ کے نیچے چھپا ہوا تھا تو اس نے دیکھا کہ بدروحیں (اس کے) اعضاء کو جوڑ رہی تھیں۔ اس کے بعد انھوں نے آسمانی مرہموں سے نعش کو ڈھک دیا۔ اب سمدھی متی اس آدمی جیسا لگنے لگا جو ابھی ابھی نیند سے اٹھا ہو۔ اشان حیران زدہ رہ گیا! اس نے یہ محسوس کیا کہ بدروحوں نے سمدھی متی کے جسم میں جان ڈال دی ہے اور اس طرح اسے زندگی عطا کی ہے۔ خوشیوں کے آنسو اس کے چہرے پر بہہ رہے تھے اور وہ دیکھتا ہی رہا۔ تب اسے خبر ہوئی کہ رات ختم ہونے والی ہے۔

کیا ہوگا اگر یہ آسمانی مورتیں اس کے اعضاء کو واپس لے لیں گے؟'' وہ حیرت زدہ ہوا۔'' کیا ہوگا اگر وہ اس کے ساتھ تڑکے نظروں سے اوجھل ہو جائیں؟''

ان خوف و خطر سے دوچار ہو کر اشان چلاتے ہوئے بھاگا۔ اچانک بد روحوں کا گروہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ تب ایک آواز سنائی دی۔'' اے اشان، ڈرو مت۔ وہ اپنے اعضاء کو برقرار رکھے گا۔ چوں کہ وہ آسمانی روحوں سے وابستہ ہو گیا تھا اس لیے دنیا میں سمدھی مت اور اپنے اعلیٰ کردار کی بنا پر آریہ راجا کے نام سے پکارا جائے گا۔''

اشان نے اطمینان و سکون کی سانس لی۔ سمدھی متی جو اب شاندار کپڑوں میں ملبوس اور حیرت انگیز جواہرات سے آراستہ تھا، کی یاد واپس آئی اور اس نے اشان کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ جب اس نے اشان کی کہانی سنی تو وہ اپنے گرو کی شفقت اور فکر پر رویا اور ان کے پیروں پر گر پڑا۔

جب اگلی صبح سمدھی متی اور اشان گھر واپس ہونے کے لیے اٹھے تو انھوں

نے شہر کے لوگوں کو قبرستان میں آتے ہوئے پایا۔ کسی پراسرار ذرائع سے سمدھی متی کے دوبارہ زندہ ہونے کی کہانی پھیل گئی تھی اور لوگ اس مقام تک پہنچنے کی جلدی کرنے لگے تھے۔ وہ اسے پہلے اس کی شاندار اور بدلی ہوئی شکل وصورت سے پہچان نہ سکے۔ تاہم جب اس نے جن کو وہ جانتا تھا، سے سوالات پوچھے اور ان کے اہل خانہ کے بارے میں دریافت کیا تب ان کے شک وشبہات دور ہوئے اور وہ تقدیر کی ستم ظریفی پر حیرت زدہ ہوئے۔ بالآخر کچھ لوگوں نے سمدھی متی کو مخاطب کیا۔ ''اے شریف النفس! حقیقتاً آپ پر دیوتاؤں کی کرپا ہے۔ براہِ عنایت ہمارا راجا ہونا قبول کریں اور ہم پر حکومت کریں۔ اس جگہ کو پُر کرنے کے لیے آپ سے قابل کوئی اور نہیں ہے۔''

سمدھی متی نے اشان کی طرف رخ کیا ''میں از خود خدا کی عبادت سے مطمئن ہوں۔ لیکن میں اس وقت تک کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا جب تک میرے گرو مجھے نہیں کہیں گے۔''

خوشی کے آنسو اشان کے چہرے پر بہنے لگے۔ ''میرے بیٹے، اس نے کہا، اس پیش کش کو قبول کرو۔ یہی خدا کی مرضی ہے۔''

''میں اسے قبول کرتا ہوں''، سمدھی متی نے کہا۔

اس پر شہریوں نے خوشیاں منائیں اور وہ اسے اس کی تاج پوشی کے لیے محل تک لے گئے۔ اس طرح ایک آدمی جو مر گیا تھا وہ ان سب سے عظیم الشان اور عقل مند راجاؤں میں سے ایک ہوا، جنھیں کشمیر کی زمین ہمیشہ سے جانتی اور پہچانتی تھی۔

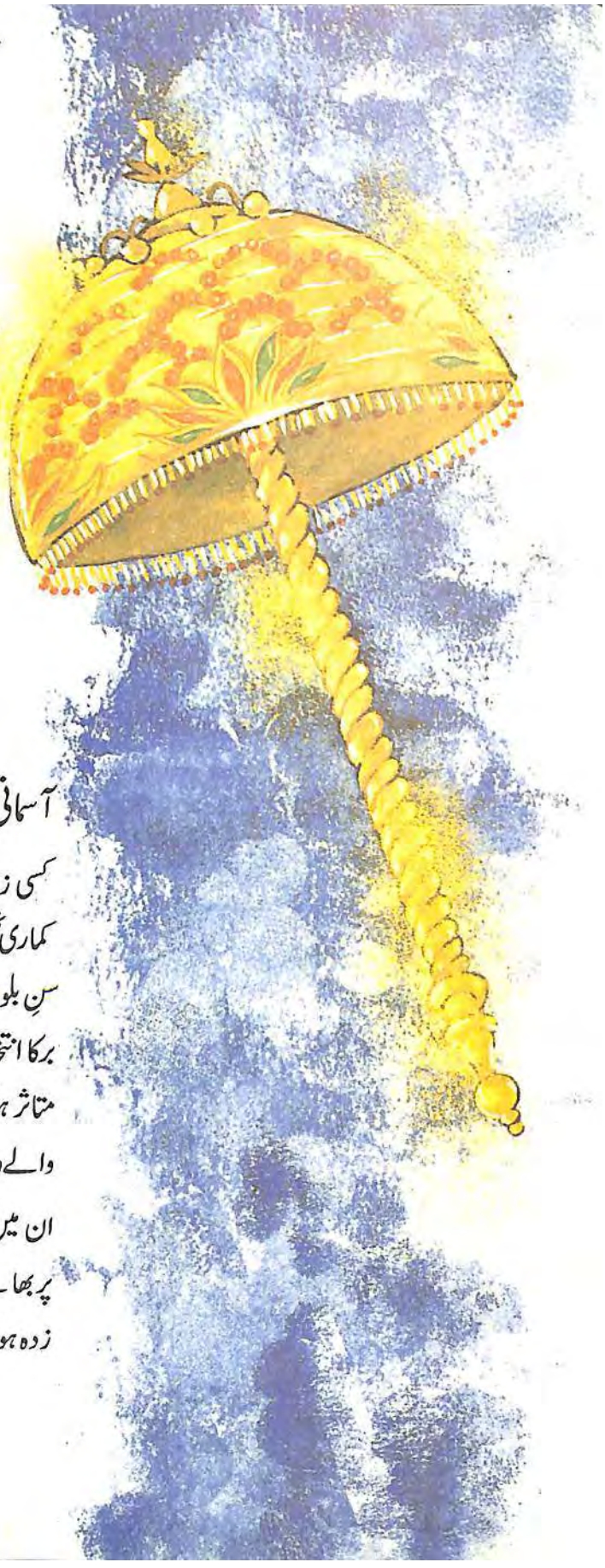

آسمانی چھوٹی چھتری

کسی زمانے میں پراگ جوتش قصبے میں ایک خوبصورت راج کماری تھی جو امرتا پربھا کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ جب وہ سنِ بلوغ کو پہنچی تو راجا نے ایک سوئمبر کا اہتمام کیا تا کہ وہ اپنے بر کا انتخاب کر سکے۔ امرتا پربھا کی خوبصورتی کی کہانیوں سے متاثر ہو کر بہت سے مشہور و معروف شادی کی پیش کش کرنے والے وہاں جمع ہوئے۔

ان میں کشمیر کے سابق راجا کا پڑپوتا میگھواہن بھی تھا۔ امرتا پربھا نے شرماتے ہوئے اپنی نظریں دربار پر ڈالیں اور حیرت زدہ ہوئی کہ وہ ان میں سے کس کا انتخاب کرے۔ میگھواہن کی

توقع کے خلاف راج کماری اس کے سامنے رکی اور اس کے گلے میں جے مالا ڈال دی۔ اپنی خوشی کو نہ روک پا کر وہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔

دونوں راجا کی دعائیں لینے کے لیے آگے بڑھے۔ جیسے ہی راجا اپنے تخت سے نیچے اترا تبھی اچانک پروہت زور سے چلّایا۔ 'مہاراج ورن کی زنانہ چھتری راج کمار پر اپنا سایہ کیے ہوئے ہے!''

''یہ سچ ہے!'' راجا خوشی سے چیخ اُٹھا۔ ''میرے بیٹے، تم پر دیوتاؤں کی شفقت ہے۔''

میگھواہن نے ان الفاظ کے مطالب پر غور کرتے ہوئے تعجب سے دیکھا۔ اچانک اس نے اپنی بغل کی طرف ایک خوبصورت نظروں کو خیرہ کرنے والی سفید چھوٹی چھتری کو دیکھا جو نہایت عمدگی سے سجی ہوئی تھی اور اپنا سایہ اس کے اوپر کیے ہوئے تھی۔

''یہ سمندروں کے بھگوان ورن کی چھوٹی چھتری ہے۔'' راجا نے وضاحت کی۔ یہ اپنا سایہ پورے عالم کے حکمراں کے علاوہ کسی اور کے اوپر نہیں ڈالتی ہے۔ تمھاری قسمت میں ذہانت اور شہرت لکھی ہے۔

ان نیک شگون اور اچھی قسمت سے حیران ہو کر میگھواہن اپنی بیوی اور دیوی زنانہ چھتری کو گھر لایا۔

اس کی واپسی پر کشمیر دربار کے وزیروں نے اسے ڈھونڈ نکالا اور تخت کی پیش کش کی۔ ''ہم اپنے موجودہ حکمراں سے غیر مطمئن ہیں''، انھوں نے کہا۔ ''اس نے خود کو عبادت کی زندگی کے لیے وقف کر دیا ہے اور سلطنت کے معاملات نظر انداز ہو رہے ہیں۔ لوگوں کو اس کی وجہ سے پریشانی ہوتی ہے۔ آپ کا عمدہ کردار اور شجاعت ان علاقوں میں خوب معروف ہیں۔ ہماری پیش کش کو قبول کر ہمیں اور ہماری سرزمین کو عزت بخشیں۔''

اس طرح میگھواہن کشمیر کا راجا ہوا۔ جلد ہی اس نے جان داروں کے قتل کے خلاف ایک قانون کا اعلان کیا۔ دوسری سلطنتوں کو فتح کر کے ان پر اس قانون کو نافذ کرنا اس کی مزید آرزو بن گئی تھی۔

ایک دفعہ راجا جب ایک مہم پر ندی کے قریب تھا تو اس نے اپنی تھکی ہوئی فوج کو کھجور کے درختوں کے جھنڈ

کے سائے میں آرام کرنے کو کہا۔ ''مجھے اس وقت کو جزیرہ لنکا کو فتح کرنے کا منصوبہ تیار کرنے کے لیے ضرور استعمال کرنا چاہیے۔'' اس نے سوچا۔

''وہ راکھششوں کی دنیا ہے اور اُسے امن و آشتی کے راستے سکھانے کی ضرورت ہے۔ لیکن میں اپنی فوج کے ساتھ اُن بڑے سمندروں کو کیسے پار کروں گا؟''

پر اچانک ایک پکار فضا کو چیر گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ آواز سمندر کے کنارے جھاڑی سے آئی تھی۔ جو وہاں سے دور نہیں تھی جہاں شاہی گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ چیخ، پکار کی آواز دوبارہ آئی اور راجا نے درد بھری پکار کو سنا، میگھوا ہن کی حکومت میں بھی مجھے قتل کر دیا گیا ہے!''

اپنے اضطراب میں راجا نے اپنے افسروں کو بلانے کا انتظار نہیں کیا اور جھاڑی کی جانب دوڑ پڑا۔ بڑے درختوں کے سائے میں اُگی ہوئی جھاڑیوں میں سے ہوتا ہوا وہ اپنے راستے کے لیے اس وقت تک جدوجہد کرتا رہا جب تک وہ کھلے راستے تک نہیں پہنچ گیا۔ وہاں اس کے سامنے چندیکا (درگا) کا ایک مندر تھا جس کی سیڑھیوں پر کچھ انسان قسم کی قربانی دی جا رہی تھی۔ ایک آدمی زمین پر پڑا ہوا تھا اور اس کے بازو رحم کے لیے اٹھے ہوئے تھے۔ اور ایک وحشت ناک شکل والا وحشی اپنی تلوار کو تیز کرتا ہوا اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

''رکو!'' راجا چلایا اور منظر کو دیکھ کر اسے صدمہ ہوا۔ ''بدمعاش! تم نے میرے راج میں دوسرے کی زندگی کو دھمکانے کی جسارت کی؟''

وحشی نے ڈر کے مارے اپنی تلوار گرا دی اور راجا کے سامنے اپنے گھٹنوں پر گر پڑا۔ ''اے شریف النفس، رحم کرو! میں وحشیوں کی ایک فوج کا سردار ہوں۔ جو اس جھاڑی میں رہتی ہے۔ میرا چھوٹا بیٹا کچھ بیماریوں کا شکار ہو گیا ہے اور بستر مرگ پر ہے۔ اگر میں اس آدمی کی قربانی دوں گا تو دیوتا خوش ہو جائیں گے اور میرے بچے کی زندگی کو بچا لیں گے۔ اگر آپ اس قربانی کو روکیں گے تو میرا بچہ مر جائے گا اور اس کی موت کے ساتھ میری باقی ماندہ فوج اپنی جانیں قربان کر دے گی۔''

راجا نے مندر کی ڈیوڑھی پر پڑی ہوئی گٹھری کی طرف نظر ڈالی اور تصوّر کیا۔ اس کا کلیجہ گھبراہٹ اور رحم سے پھٹ گیا۔

وحشی نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ''یہ آدمی، جس کو آپ بچانا چاہتے ہیں، جنگل میں اکیلے بے یارو مددگار گھوم رہا تھا۔ کیا یہ آدمی آپ کے نزدیک اس بچّے سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے جس سے بہت لوگ وابستہ ہیں؟''

وہ ستم رسیدہ آدمی جس کے چہرے پر خوف کے آثار تھے، سکڑا ہوا زمین پر بیٹھا تھا۔ وحشی کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ ''مہاراج، مجھے بتایئے کہ میں کیا کروں!'' اس نے آہ وزاری کی۔ ''میں اپنے بچّے کو اس طرح پریشان ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا ہوں۔''

راجا مستعدی سے بولا۔ ''پریشان مت ہو۔ میں تمھارے بچّے اور اس مظلوم دونوں کی جان بچاؤں گا۔ میں اپنے جسم کو چندیکا کی بھینٹ کے لیے پیش کرتا ہوں۔ اے وحشی، مجھے بلی دو۔ ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں زندہ رہ سکیں۔''

وحشی خوف اور تشکیک کے درمیان جنگ کرتا ہوا ایک قدم پیچھے ہٹا۔ ''مہاراج، آپ راجا ہیں۔ آپ کے جان کی ہمیشہ حفاظت ہونی چاہیے۔''

''اس مظلوم پر رحم مت کھاؤ۔ اسے مرنے دو۔ اس کی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔''

راجا نے بے صبری سے اپنا سر ہلایا۔ ''اگر میں اپنے جسم کا استعمال ایک قتل کو روکنے کے لیے کرسکتا ہوں تو مجھے ایسا کیوں نہیں کرنا چاہیے؟ کچھ اور مت کہو۔ مجھے بلی دو!''

وحشی نے اپنے سر کو لٹکا لیا اور اپنی تلوار پکڑنے کے لیے کوئی حرکت نہ کی۔

''اگر تم خود کو مجھ پر وار کرنے کے لیے آمادہ نہیں کرسکتے ہو تو میں اس مقصد کے لیے اپنی تلوار استعمال کروں گا۔'' ایسا کہتے ہوئے راجا نے اپنی تلوار کھینچی۔ وحشی اور مظلوم وحشت سے دیکھنے لگے۔ جیسے ہی میگواہن خود پر وار کرنے والا تھا۔ اس کا سر عمدہ رنگ اور خوشبو والے آسمانی پھولوں سے ڈھک دیا گیا اور کسی نے اس کے ہاتھ کو پیچھے سے پکڑ لیا۔ راجا تعجب میں تیزی سے مڑا اور آسمانی شکل وصورت والے ایک آدمی کو دیکھا۔ اس کے بعد اس نے محسوس کیا کہ وحشی، مظلوم اور بیمار لڑکا غائب ہو چکے تھے۔

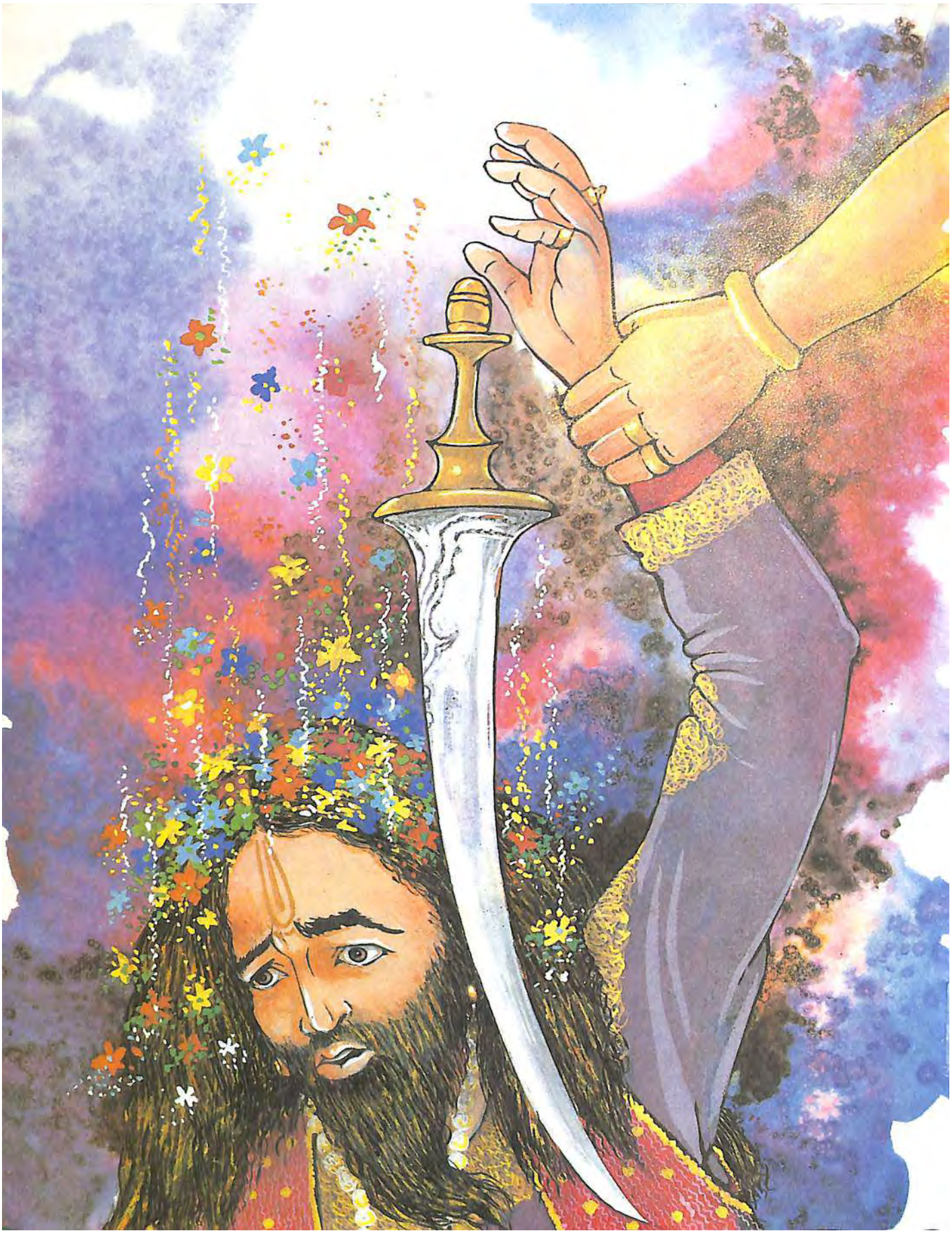

ایک آسمانی مخلوق حیرت زدہ راجا سے مخاطب ہوئی۔ 'میں سمندروں کا بھگوان ورن ہوں۔ میں اپنی چھوٹی چھتری واپس لینے آیا ہوں جسے تمھارے سسر کے باپ طاقتور بھومامیرے قصبے سے لے آیا تھا۔ میری ریاست میں آفات کو ختم کرنے کی اس میں طاقت ہے۔ میں نے تمھارے ذہن کی عالی ظرفی کو پرکھنے کے لیے یہ بھرم پیدا کیا تھا۔

تم سچ مچ رحم دل اور عالی ظرف انسان ہو۔

میگھواہن آسمانی ہستی کے سامنے جھکا اور اسے شرافت سے چھوٹی چھتری واپس کی۔ تب اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ ''اے بھگوان آپ کی تعریف سے جرأت کر کے میں ایک بردان (عطیہ) مانگنا چاہتا ہوں۔ مجھے سمندروں کو پار کرنے کے لیے مدد کی ضرورت ہے تاکہ میں جزیروں کو فتح کر سکوں۔''

ورن مسکرائے ''ایسا ہی ہو۔'' جب تم سمندر کو پار کرنے کی خواہش کرو گے تو میں پانی کو کھینچ لوں گا؟'' تب وہ چھوٹی چھتری کے ساتھ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

دوسرے دن میگھواہن نے سمندر کے کنارے اپنی فوجوں کو جمع کیا۔ سمندر کا پانی بڑھا ہوا تھا اور ریت پر تھپیڑے مار رہا تھا اور سپاہی اس کی طاقت پر کانپ رہے تھے۔ میگھواہن گھوڑے پر سوار آگے بڑھا اور بلبلے مارتے ہوئے سمندر میں کود پڑا۔ اچانک پانی الگ ہو گیا اور راجا نے اپنی فوجوں کے تعجب پر مسکراتے ہوئے انھیں اپنی پیروی کرنے کا اشارہ کیا۔ اس حیرت انگیز طریقے سے میگھواہن سری لنکا پہنچا اور وہاں کے راجا بھیڑنا پر دوستی میں فتح حاصل کی۔

گھر لوٹنے پر امرتا پربھا نے اس کا سواگت کیا اور تب گھبراہٹ میں چاروں طرف دیکھا۔ ''میرے سوامی، زنانہ چھتری کہاں ہے؟ اس نے پوچھا۔ ''وہ آپ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتی ہے۔''

''وہ رکھنے کے لیے میری کبھی نہیں تھی''، اس نے جواب دیا۔ تاہم اس کے دیوی مالک کے ذریعے مجھے کرم فرمائی کے جو نشانات دکھائے گئے ہیں وہی زندگی بھر میرا مارگ درشن کریں گے۔''

جیسے ہی وہ اس نے یہ الفاظ کہے۔ آسمان تاریک ہو گیا گویا کہ چھوٹی چھتری اپنے آسمانی گھر سے بھی اس پر اپنا سایہ ڈال رہی تھی۔

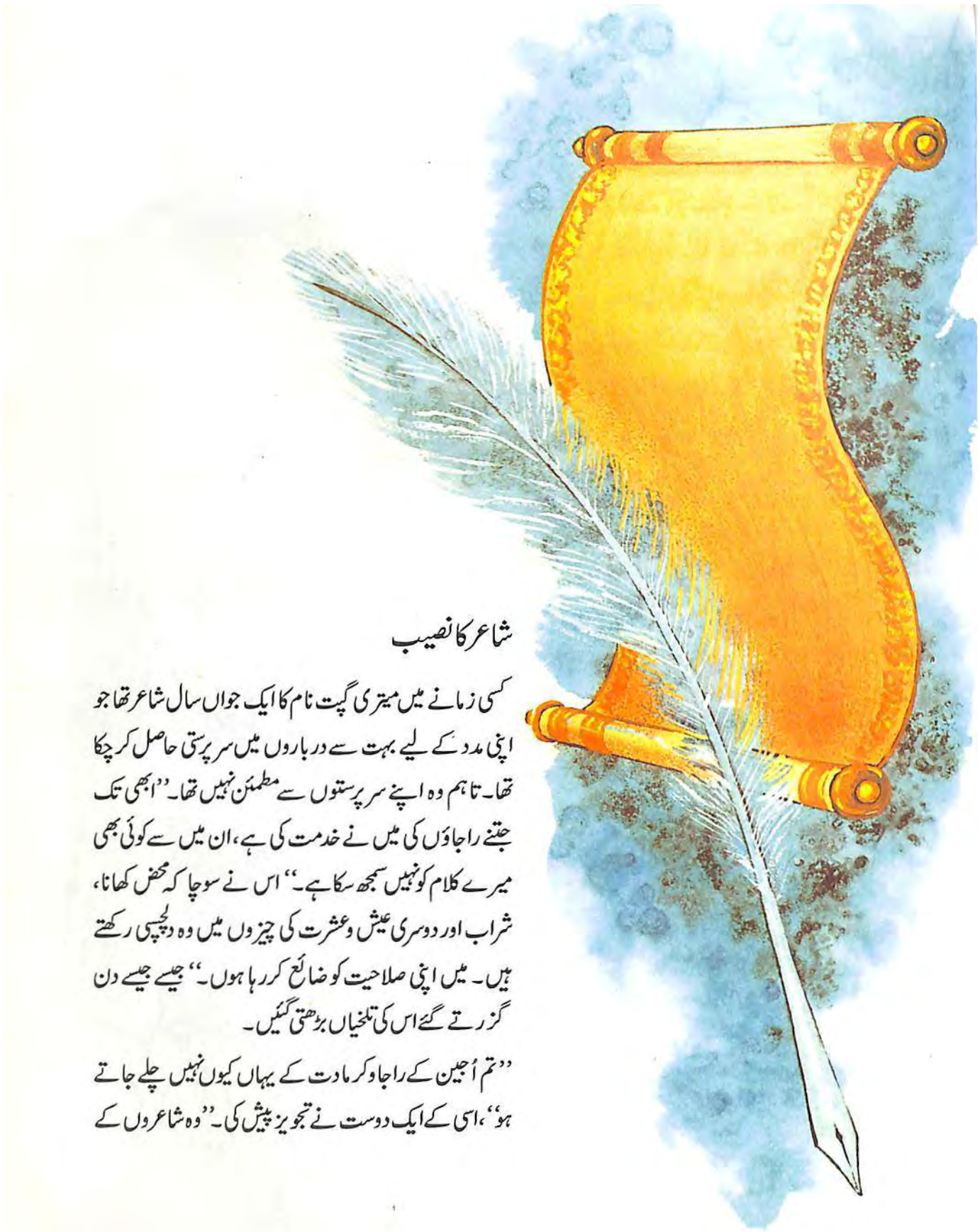

شاعر کا نصیب

کسی زمانے میں میتری گپت نام کا ایک جواں سال شاعر تھا جو اپنی مدد کے لیے بہت سے درباروں میں سرپرستی حاصل کر چکا تھا۔ تاہم وہ اپنے سرپرستوں سے مطمئن نہیں تھا۔ ''ابھی تک جتنے راجاؤں کی میں نے خدمت کی ہے، ان میں سے کوئی بھی میرے کلام کو نہیں سمجھ سکا ہے۔'' اس نے سوچا کہ محض کھانا، شراب اور دوسری عیش و عشرت کی چیزوں میں وہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ میں اپنی صلاحیت کو ضائع کر رہا ہوں۔'' جیسے جیسے دن گزرتے گئے اس کی تلخیاں بڑھتی گئیں۔

''تم اُجین کے راجا وکرمادت کے یہاں کیوں نہیں چلے جاتے ہو''، اسی کے ایک دوست نے تجویز پیش کی۔ ''وہ شاعروں کے

سرپرست کے طور پر جانے پہچانے جاتے ہیں۔'' اور اس طرح میتری گپت راجا وکرمادت کے دربار میں پہنچا۔ اسے عزت سے لے جایا گیا اور راجا کے روبرو پیش کیا گیا۔ محل کی شان وشوکت سے خیرہ ہوکر میتری گپت راجا کے سامنے جھکا اور ان کے اعزاز میں تازہ کہی ہوئی نظم پیش کی۔ راجا نے از راہِ نوازش اپنے سر کو جھکایا اور پھر دوسرے وزراء کی جانب مڑا۔ میتری گپت اپنے استقبال سے مطمئن ہوکر کمرے سے دور بھیڑ میں شامل ہوگیا اور راجا کو بہ نظر غور دیکھا۔

''وہ حقیقت میں عظیم الشان راجا ہے''، میتری گپت نے خیال کیا۔ ''میں نے اس کی آنکھوں میں ستائش کی رمق دیکھی۔ یہ میرا سچ مچ مالک ہے۔ میں اس کی دن رات خدمت کروں گا۔''

اس دوران راجا میتری گپت کی نظم پر غور وفکر کر رہا تھا۔ اس کے الفاظ بڑی خوبی اور بصیرت کے حامل ہیں۔ اس نے سوچا' یہ شاعر مجھ سے بڑے انعام کا مستحق ہے۔ تاہم میں اسے انعام دینے سے قبل کچھ وقت انتظار کروں گا۔ میں اس کے کردار اور افکار کی آزمائش کروں گا۔

اور اس طرح میتری گپت خود کو روزانہ دربار میں پیش

کرتا، کہنے پر نظمیں سناتا اور دوسرے طریقوں سے راجا کی خدمت کرتا لیکن وکرمادت نے اسے تحفہ و تحائف سے نہیں نوازا۔ اس پر میتری گپت مایوس نہیں تھا۔

''یہ راجا کی میری آزمائش کا طریقہ ہے''، اس نے ٹھیک سوچا۔ ''میں اور زیادہ خود سپردگی سے اُس کی خدمت کروں گا۔''

دربار کے وزیروں، افسروں، محافظوں اور دوسرے خدمت گزار دربار میں اس کی غیر حاضری سے اس کو مزید پہچاننے لگے۔ ''راجا یقیناً جلد ہی تمھیں انعام دے گا۔'' محافظوں میں سے ایک محافظ نے رائے زنی کی۔ ''اس کی سخاوت جگ میں ظاہر ہے۔ تم ایک امیر آدمی ہو جاؤ گے۔''

تاہم دن گزرتے گئے اور راجا کی جانب سے اس کی صلاحیت کے اعتراف میں کوئی اشارہ نہ تھا۔ درباری پریشان ہوئے۔ اب ان کی نظروں میں میتری گپت کی اہمیت کم ہوتی گئی۔

''تم روز کیوں آتے ہو؟'' ایک محافظ نے مذاق اڑایا۔ ''راجا تمھیں پسند نہیں کرتا ہے۔''

محافظ کے ان الفاظ نے شاعر کو مشتعل نہیں کیا۔ اس کا ذہن راجا اور اس کی ضروریات پر مرکوز تھا۔ وہ تمام دوسری چیزوں کی طرف سے اندھا تھا۔

اس دوران راجا دربار میں میتری گپت کی موجودگی کا عادی ہو چکا تھا۔ ''وہ نہ تو بہت زیادہ نہ ہی بہت کم دربار میں رکتا ہے۔ راجا نے خیال کیا۔ ''میں اس کی خود سپردگی اور اس شعور سے خوش ہوں، مجھے اس کی مزید آزمائش کرنی چاہیے۔ میں اپنے معتمد وزیروں میں سے کسی ایک کو اس کے پاس یہ جاننے کے لیے بھیجوں گا کہ آیا وہ اکیلے میں میری برائی کرتا ہے یا نہیں۔

اس طرح ایک دن خزانے کا محافظ بلبھ اس کے پاس گیا، ''میرے دوست، میں راجا کے تئیں تمھاری خود سپردگی سے حیران ہوں۔'' بلبھ نے کہا، ''لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ اپنے مزاج میں اس قدر ڈھلمل

یقین ہیں کہ وہ تمھیں انعام وآرام سے نہیں نواز سکتے۔تم کہیں دوسری جگہ کیوں نہیں چلے جاتے ہو؟''

میتری گپت اپنی آنکھوں میں غصے کی رمق لیے ہوئے سیدھا کھڑا رہا۔''راجا کے تئیں میری وفاداری اٹل ہے۔''اس نے مضبوطی سے کہا۔'تم اپنے مالک کے بارے میں اس طرح سے کیسے بات کر سکتے ہو۔کیا تمھارے پاس ان کے ممنون وشکر گزار ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔؟''

جب بلبھ نے راجا کو اپنی باتیں بتائیں تو اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اُٹھیں۔''یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ میں نے سوچا تھا،وہ چیخ اُٹھا۔''میتری گپت ایک خزانہ ہے۔ایک وفادار غلام ہے۔''

میتری گپت دوسرے دن جیوں ہی محل میں داخل ہوا،غلاموں کا ایک گروہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔یہاں ایک وفادار آتا ہے''،انھوں نے منہ چڑھایا۔''ہماری صلاح مانو،تم وہاں جاؤ جہاں تمھاری سچی قدر پہچانی جائے۔''میتری گپت نہ تو اس سے پریشان ہوا،نہ ہی ان ناخوش درباریوں کے گروہ سے جس سے وہ بعد میں ملا تھا اور جو راجا کی سختی کے بارے میں بھنبھنا رہے تھے۔بلکہ اس نے انھیں وکرمادت کی عظمت کو یاد دلایا اور ان کے تئیں ان کے فرائض کو بھی۔وہ انھیں اپنے الفاظ پر نادم ہونے کے لیے چھوڑ کر چلا گیا۔اس طرح میتری گپت نے دھیرے دھیرے دربار کی عزت اور محبت حاصل کی۔تاہم راجا ریاست کے معاملات سے گھرا ہو کر شاعر کی موجودگی کو طے شدہ امر سمجھتا رہا۔

اس طریقے سے چھ ماہ گزر گئے اور ایک بے اطمینانی کا احساس میتری گپت کے دل میں پیدا ہوا۔''کیا میں غلط ہو سکتا ہوں؟''اس کے اندر جاننے کی خواہش پیدا ہوئی۔''میں نے راجا کی اچھی طرح سے خدمت کی ہے۔اس پر بھی وہ اپنا منہ مجھ سے موڑے رہتا ہے۔اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟''

اسی لمحہ راجا اس کے پاس سے گزرا اور شاعر کی نحیف ونزار اور بُری حالت سے متاثر ہوا۔اس کے کپڑے پھٹ گئے تھے اور وہ دھول سے ڈھکا ہوا تھا۔یہ اعلیٰ وارفع آدمی جو بغیر تحفظ کے ہے،بغیر رشتے داروں کے ہے اور جس کے پاس آمدنی کا کوئی مستقل ذریعہ نہیں ہے۔شرم ہو مجھ پر!اپنی آزمائش کی تمنا میں،میں نے

اسے وہ عزت نہیں دی جس کا وہ حق رکھتا ہے۔ مجھے احسان کی ادائیگی کے لیے اسے کیا اعزاز دینا چاہیے۔

اس رات سخت سرد ہوائیں تیزی سے چل رہی تھیں اور راجا اچانک جاگ اُٹھا اور دیکھا کہ دیے ٹمٹمار ہے ہیں۔

''محافظوں میں سے کون باہر ہے؟'' اس نے پکارا۔

''اے راجا، میں میتری گپت یہاں ہوں۔'' جواب آیا۔ ''دوسرے سو رہے ہیں؟''

''اندر آؤ اور چراغوں کو روشن کرو''، راجا نے حکم دیا۔ جب میتری گپت چراغوں کو روشن کر چکا تو راجا نے اسے مخاطب کیا ''رات زیادہ باقی نہیں ہے۔ تم اب تک کیوں جگے ہوئے ہو؟''

میتری گپت نے پہلی دفعہ خود کو ہلکا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اس وقت اور اس مقام پر جو نظم کہی تھی اس سے تلخیاں نکل رہی تھیں۔ ''میں سردی اور بھوک کا مارا ہوں اس لیے نیند مجھے دغا دیتی ہے۔ لیکن رات چراغ کے مانند نہیں تھکتی ہے۔''

راجا اسے برخاست کرنے کے بعد خطا کاری سے پریشان تھا۔ اس نے سوچا شرم ہو مجھ پر کہ اس اعلیٰ آدمی سے مجھے اس طرح کے تکلیف دہ الفاظ سننے پڑے۔ وہ پریشانی میں مبتلا ہے اور میرے شکریہ کے الفاظ کی بابت میں سوچتا ہے۔ لیکن میں اس کے لائق ایک تحفہ کو جانتا ہوں۔ میں اسے کشمیر کا راجا بناؤں گا جواب میرے تحفظ میں ہے۔

اس نے چپکے سے کشمیر کے وزیروں کو ایک پیغام بھیجا اور انھیں اپنے سرکاری فرمان سے میتری گپت کو راجا بنانے کا حکم دیا۔''

دوسرے دن راجا نے میتری گپت کو بلایا۔ ''اس دستاویز کو کشمیر لے جاؤ اور اسے وہاں کے ریاستی افسروں کو دے دو۔'' وکرمادت نے کہا۔ ''اسے کسی اور کو پڑھنے مت دینا۔''

''جی حضور، میرے آقا''، میتری گپت نے کہا۔

''راجا سخت ہے۔'' درباریوں نے بڑبڑایا۔ ''اس کڑاکے کی ٹھنڈی میں کشمیر کا سفر لمبا اور مشکل ہے۔ بے وقوف راجا نے میتری گپت کو کچھ کھانے پینے کی چیزیں نہیں دی ہیں۔ بے چارہ! وہ اپنے اعتقاد میں دھوکا کھا گیا ہے۔''

میتری گپت بہت سے خدشات کے ساتھ اپنے سفر پر روانہ ہوا۔ ''کیا میں اس کام کو پورا کرنے میں کامیاب

ہوں گا؟'' اس نے خود سے بار بار پوچھا۔ سڑکیں لمبی تھیں اور اس کا جسم تھکا ہوا تھا۔ تاہم اس کی قوت ارادی اور خودداری نے اسے طاقت عطا کی۔ وہ آگے بڑھتا گیا اور راستے میں میزبانی استقبال اور کمک پا کر اسے تعجب ہوا۔ کھانا، پانی اور پناہ کی جگہیں آسانی سے مہیا تھیں۔ 'یہ اتنا مشکل کام نہیں جیسا کہ مجھے خدشہ تھا' اس نے سوچا۔ ''اور آخری رات میں میں نے سمندر کو پار کرنے کا خواب دیکھا تھا۔ یقیناً یہ نیک شگون ہے۔ شاید کشمیر کے وزراء مجھے کوئی چھوٹا موٹا انعام دیں گے۔''

بالآخر جب وہ کشمیر کی زمین میں داخل ہوا تو وہ اونچے پہاڑوں، ہری بھری زمینوں اور مہکتی ہوئی ہواؤں کی خوب صورتی سے بے تاب ہو اُٹھا۔ کرم ورتا (گھنٹہ گھر) سے اسے اس طرف کی راہ دکھائی گئی جہاں وزراء جمع تھے۔ ''میں راجا و کرمادت سے ایک پیغام لایا ہوں''، اس نے کہا۔

ایک وزیر نے سرکاری فرمان کو پڑھا ''کیا آپ کا نام میتری گپت ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں، ہے۔''

وزراء حواس باختہ شاعر کے سامنے جھکے۔ ''اے راجا، خوش آمدید، انھوں نے کہا۔ ''یہ زمین آپ کو اپنا راجا پا کر خوش نصیب نبی ہے۔''

خلاف توقع اسے سب سے اونچی کرسی کی طرف لے جایا گیا اور اسے بہت عزت و توقیر دی گئی۔ ''میں سمجھ نہیں پاتا ہوں، میتری گپت ہکلایا۔

جب اس نے پوری کہانی سنی تو آنسو اس کے چہرے پر بہہ نکلے۔ اپنی تاج پوشی کی رسم کے بعد اس نے وکرمادت کو قیمتی تحفہ تحائف بھیجے اور اپنی عجز و انکساری کو ظاہر کرنے کے لیے ان میں سے کچھ سستے بھی۔ ان تحفہ و تحائف کے ساتھ اس نے شکر گزاری کی ایک نظم بھی بھیجی۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

''آپ جذبے کا اظہار نہیں کرتے ہیں۔ آپ شیخی نہیں بگھارتے ہیں۔ آپ اپنی میلان طبع کا اشارہ نہیں کرتے ہیں لیکن آپ درخت کی طرح ہیں جو اچھے پھل دیتا ہے، بادل کی طرح ہیں جو چپکے سے بارش کرتا ہے۔''

اس طرح شاعر کا ایک خواب سچ ہوا۔

دو ماؤں والا راجا

ایک راجا جو ہیرن کے نام سے پکارا جاتا تھا، کسی زمانے میں کشمیر کی زمین پر حکومت کرتا تھا۔ وہ بہادر اور قابل تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ بہت گھمنڈی بھی۔ ایک دفعہ اس کے چھوٹے بھائی تورامن نے اپنے نام سے سکّے جاری کیے۔ بھائی کے اس عمل نے اسے اس قدر مشتعل کیا کہ وہ اپنے آپ پر قابو نہ پا سکا۔

''یہ محض راجا کا امتیازی حق ہے''، وہ گرجا۔ ''میں تورامن کو اس کی اس جسارت کے لیے قید خانہ میں ڈال دوں گا۔''

جب اس طرح تورامن کو جیل بھیج دیا گیا تو اس کی خوبصورت بیوی انجنا جو حاملہ تھی کو بہت خوف و استعجاب ہوا۔

''ڈرومت'' تو رامن نے بیوی کی دلجوئی کی۔ ''میرے بھائی کا غصّہ بہت دن تک باقی نہیں رہے گا۔''

دن کے بعد دن آتے گئے۔ لیکن راجا نے نرمی کا کوئی اشارہ نہیں دکھایا۔ دونوں بہت مایوس ہوئے۔ اس کے بعد تو رامن کی صلاح پر انجنا اپنے بچے کو جنم دینے کے لیے ایک کمہار کی جھونپڑی میں چلی گئی۔ اس کے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جیسے ہی انجنا نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا تو اسے دکھ نے نڈھال کر دیا۔

''میں اسے یہاں تمھارے پاس چھوڑ جاؤں گی''، اس نے کمہار کی بیوی سے کہا۔ ''اس کی دیکھ بھال کرنا اور اسے راجا سے چھپا کر رکھنا۔ افسوس! میرا بے چارہ بچہ اس طرح کی قسمت سے دوچار ہو رہا ہے۔''

نیک کمہارن، عورت کی حالت سے متاثر ہوئی۔ ''میں اس کے ساتھ خزانہ کی طرح سے جیسا کہ وہ ہے، برتاؤ کروں گی۔'' اس نے فوراً کہا۔ ''اسے کیا پکارنا ہے؟''

''اس کے عظیم الشان دادا کے نام پر پروارسین۔ اسے اس کی اصل کے بارے میں مت بتانا۔''

''نہیں، میری مالکن''، کمہارن نے جواب دیا۔ ''میں نہ تو اس سے یا کسی اور سے اس راز کو کبھی فاش کروں گی۔''

اس طرح یہ چھوٹا راج کمار عیش و آرام سے دور جو اس کا حق تھا کمہار کی جھونپڑی میں بڑا ہوا۔ کمہارن نے اس پر اپنے سارے لاڈ و پیار کو نچھاور کیا۔

''تم اسے اپنی نظروں سے کبھی دور نہیں ہونے دیتی ہو۔'' اس کی سکھیوں نے رائے زنی کی۔ ''ایک دن وہ بڑا ہو جائے گا اور تمھیں چھوڑ دے گا۔ تم تب کیا کرو گی؟''

''جب وہ وقت آئے گا تو میں دیکھوں گی''، کمہارن نے جواب دیا۔ انجنا اکثر اپنے بچے کو دیکھنے کے لیے آتی۔ وہ اس خوبصورت عورت کی توجہ کا سواگت کرتا۔ ''ماں، وہ کون ہے اور جب وہ یہاں آتی ہے تو کیوں روتی ہے؟۔'' بچے نے کمہارن سے ایک دن پوچھا۔

''وہ ایک سکھی ہے'' اس کا جواب تھا، ''اور اس نے اپنی زندگی میں بہت دکھ جھیلے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ روتی ہے۔''

علاقے کے بچے چھوٹے پروارسین کی طرف کھنچے چلے جاتے۔ وہ فطری وقار کا طرز عمل اختیار کرتا اور اس کی دانشمندی بخوبی عیاں تھی۔

''بچے اسے اپنے گروہ کا لیڈر بنا چکے ہیں'' کمہارن نے انجنا کو ایک دن بتایا۔

انجنا نے خوشی کے آنسو روئے۔ ''مجھے اور بتاؤ''، اس نے کہا۔

''وہ ان سبھوں کو اپنے قابو میں رکھتا ہے جو اس کی پیروی کرتے ہیں''، کمہارن نے بات کو جاری رکھا، ''اور راجا کی طرح حکم جاری کرتا ہے جیسے اس کی قسمت میں راجا ہونا لکھا ہو۔''

ایک دن پروارسین کمہار کے مٹی کی گولیوں سے شیولنگ کی ایک قطار بنا رہا تھا۔ اپنے کاموں میں وہ اس قدر ڈوبا ہوا تھا کہ اس نے اپنے قریب کھڑے ہوئے ممتاز آدمی کی طرف توجہ نہیں دی جو اسے دیکھ رہا تھا۔ پروارسین کے دوست نے اسے کہنی سے اشارہ کیا۔ ''وہ راج کمار تورامن کا سالا جیندرا ہے۔'' وہ پھسپھسایا۔

پروارسین نے اوپر دیکھا اور آرام سے ہاں میں سر ہلایا۔

''یہ لڑکا میرے بہنوئی تورامن جیسا دکھائی دیتا ہے''، مہبوت جیندرا نے سوچا۔ ''وہ اعلیٰ نسل کا معلوم ہوتا

ہے۔ وہ کون ہوسکتا ہے؟''

اس نے اس کی جھونپڑی تک لڑکے کا پیچھا کیا اور وہاں انجنا کو پا کر وہ صدمہ زدہ ہوگیا۔ حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اس نے اپنی سسکتی ہوئی بہن کو گلے لگالیا۔

''ماں یہ دونوں کون ہیں؟'' پروارسین نے گھبراہٹ میں کمہارن سے پوچھا۔

وہ اپنے آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ہچکچائی۔ اسے گلے لگاتے ہوئے اس نے کہا ''اب سکوت کو توڑنے کا وقت آ گیا ہے۔ میرے بچے، یہ تمھاری ماں اور وہ تمھارے ماما ہیں۔'' جب پروارسین نے یہ کہانی سنی تو غصے سے بھر گیا۔ میں راجا ہیرن کو للکاروں گا اور اپنے والد کو قید سے آزاد کراؤں گا''، وہ چیخا۔

''نہیں، ابھی مناسب وقت نہیں آیا ہے''، جیندرا نے مشورہ دیا۔ ''کچھ دیر انتظار کرو، پھر ہم دیکھ لیں گے۔''

جلد ہی قسمت نے پلٹا کھایا اور تورامن اور ہیرن دونوں مر گئے۔ دکھی اور تھکا ماندہ پروارسین اپنی ماؤں کو چھوڑ کر کچھ مذہبی مقامات کی زیارت کے لیے چلا گیا۔ اس نے بھگوان شیو کی ایک سلطنت دینے کے لیے مسلسل عبادت کی۔ اس وقت کشمیر کی سلطنت اجین کے راجا وکرمادت کے ذریعہ میتری گپت کو دے دی گئی تھی۔ اس پر برہم ہوکر پروارسین، میتری گپت کو للکارنے کے لیے چل پڑا۔ جلد ہی اسے اطلاع دی گئی کہ میتری گپت کشمیر کو چھوڑ چکا ہے اور قریب ہی پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ وہ ایک چھوٹے دستے کے ہمراہ راجا کے پاس گیا۔ میتری گپت اس کا استقبال کرنے کے لیے دوڑا ہوا آیا۔ اے 'شریف النفس پروارسین، کشمیر آپ کا ہے''، اس نے فوراً کہا۔ ''میں اب راجا نہیں ہوں۔'' ''اس کی کیا وجہ ہے؟'' حیرت زدہ راج کمار نے سوال کیا۔

میرے سرپرست اجین کے راجا وکرمادت مر چکے ہیں۔'' میتری گپت نے جواب دیا۔ ''میں دکھ سے پریشان ہوں اور تمام دنیاوی عیش و آرام کو چھوڑنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ تخت آپ کا ہے۔''

اس طرح پروارسین کشمیر کا اگلا راجا ہوا۔ تخت پر بیٹھ کر اس نے نجات محسوس کی۔ اس نے خواہش کی کہ کاش اس کے والد اسے دیکھنے کے لیے زندہ ہوتے لیکن اپنی ماؤں کی خوشی سے وہ خوش ہوگیا۔ کچھ ہی عرصے میں

وہ ایک طاقت ور راجا ہو گیا۔ اس نے بہت سی جنگیں چھیڑیں اور آسانی سے ان میں فتح حاصل کی۔ اس کی شہرت ہر علاقے میں بازگشت کرتی تھی۔

تاہم پروارسین غیر مطمئن تھا۔ ''میں دنیا کو فتح کر چکا ہوں''، اس نے اپنی بیوی رتن پربھا کو بتایا۔ 'اس کے باوجود میں اپنے نام پر ایک شہر چاہتا ہوں۔ جو مبارک جگہ اور طریقے سے بنا ہونا چاہیے۔ میں اس مقصد کو کیسے پورا کروں گا؟''

ایک رات راجا جواہرات سے آراستہ اپنی تلوار کو نکالے اپنی مشکل پر غور و فکر کرتے ہوئے شہر میں ٹہل رہا تھا۔ وہ قبرستان کے قریب ایک چشمے کے پاس آیا جو درختوں سے گھرا ہوا تھا اور چاندنی میں عجیب طرح سے چمک رہا تھا۔ اچانک اس نے ایک زوردار گرج سنی اور خیمے کے دوسرے کنارے پر ایک بڑے اور خوفناک راکشش کو دیکھا۔ اس کی دمکتی ہوئی صورت سے خوف زدہ ہو کر پروارسین نے اسے بے خوف غور سے دیکھا۔ تب راکشش نے اسے مخاطب کیا۔ ''اے عظیم حکمراں آپ کی آرزو پوری کی جائے گی۔ اس بند کو پار کر کے میری طرف آؤ۔''

اس نے اپنے گھٹنے کو دوسرے کنارے تک چشمے کے پانی کو چیرتے ہوئے پھیلایا۔ اس بند کو راکشش کے جسم کا ایک حصہ جان کر بہادر راجا نے اپنی کٹاری سے گوشت کاٹ کر سیڑھی بنائی۔ تب اس نے راکشش کو پار کیا جس نے اسے مبارک گھڑی بتائی اور کہا ''اپنا خیمہ وہاں بناؤ جہاں تم میری تانبے کی لکیریں کھینچی ہوئی دیکھو۔''

دوسرے دن پروارسین نے وہ جگہ بتائی اور فوراً اپنے شہر پراپوار کی بنیاد رکھی۔ اس نے ناؤ کے پلوں، حسین مکانوں، بازاروں، مندروں اور عالیشان محلوں کی تعمیر کی اور اس جگہ کو اپنی خوبصورتی اور مکمل پن میں بے نظیر بنا دیا۔

''میرے سوامی، اب آپ اپنی سب سے بڑی آرزو پوری کر چکے ہیں۔'' رتن پربھا نے پروارسین سے کہا۔

''اب کچھ باقی نہیں ہے جسے آپ پورا نہیں کر سکتے ہیں۔''

''نہیں، یہ سچ نہیں ہے''، راجا نے جواب دیا۔ ''میں اپنی طاقت، اپنا سب کچھ بھگوان شیو اور اپنی دونوں

ماؤں سے حاصل کرتا ہوں۔ ان کی خاطر، میں ایسی بلندیوں پر پہنچ گیا ہوں۔''

آج پروا پورا کے اس قصبے کو اب سری نگر کے نام سے جانا جاتا ہے جو اپنی خوبصورتی کے لیے لوگوں کی توجہ اور تعریف کا مرکز ہے۔

شہد کی مکھّیاں اور دیوی

کسی زمانے میں ایک نوجوان تھا جو اپنے سارے پیسے گنوا چکا کر بُرے دن کا شکار ہو گیا تھا۔ ''میں اپنی مدد کیسے کروں گا؟'' اس نے مایوسی سے سوچا، ''اگر میری قسمت پلٹا نہیں کھاتی ہے تو میں اپنی زندگی ضرور ختم کرلوں گا۔''

اس نے جلدی سے اپنے دماغ میں ایک منصوبے کے بارے میں سوچنے کی کوشش کی لیکن کچھ بھی نہ سوچ سکا۔ بالآخر اس نے ایک سُنی ہوئی بات کو یاد کیا کہ دیوی بھرمراوسنی جو وندھیا پہاڑ پر رہتی تھی، وہ اپنے بھگتوں کی ایک مُراد (بردان) کو ماننے کے لیے ہمیشہ تیار رہتی تھی۔

''میں جاؤں گا اور اس سے مانگوں گا''، اس نے فیصلہ کیا۔ ''میں اس سے اپنی قسمت کو بحال کرنے کے لیے کہوں گا۔''

اس بات سے خوف کھا کر کہ اس کے دوست اس کا مذاق اڑائیں گے، اس نے اپنے منصوبے کے بارے میں میں کسی کو نہیں بتایا۔ وہ فوراً اپنی اس تلاش پر روانہ نہ ہو سکا کیونکہ اس کے لیے بڑی تیاریاں درکار تھیں۔ دیوی کا استھان (مقام) بڑی بڑی شہد کی مکھیوں کے ذریعے حفاظت کیے جانے والا کہا جاتا تھا جن کے ڈنک سب سے موٹے چمڑے میں دھنس کر ہڈیوں تک پہنچ سکتے تھے۔ ''میں اپنے جسم کو مضبوط زرہ بکتر سے ڈھک لوں گا''، نوجوان نے اپنے آپ سے کہا۔ ''تب مکھیاں مجھے بالکل نقصان نہیں پہنچا سکتیں ہیں۔''

آخر کار وہ لڑھکتے ہوئے ڈھیلے کی طرح اپنی تلاش پر چل پڑا۔ اس نے پہلے اپنے جسم کو زرہ بکتر سے ڈھک لیا اور پھر بھینس کے گوبر اور مٹی کے لیپ سے۔ جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا سورج کی تیز شعاعیں اس کے جسم پر مٹی کی متعدد لیپوں کو خشک کر رہی تھیں۔ چوں کہ اس نے اپنے سفر کے لیے صبح تڑکے کے وقت کا انتخاب کیا تھا اس لیے کسی نے اسے نہیں دیکھا اور وہ اپنے راستے پر پرسکون بڑھتا گیا۔ اسے تھوڑا سا بھی خوف کا احساس نہیں ہوا۔

''اب مجھے کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے''، اس نے خود اعتمادی سے سوچا۔ ''تقدیر میرے ساتھ ہے۔ میں جلد ہی پھر خوش قسمت ہو جاؤں گا۔''

اس کے سفر کی پہلی منزل بہت ہی آسان تھی۔ راستہ صاف تھا اور اسی نے خود کو پھولوں کی خوشبو اور درختوں پر چڑیوں کی چہچہاہٹ سے لطف اندوز ہوتا ہوا پایا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا تھا اور اپنے جسم کو غیر رسمی زرہ بکتر میں ہونے کی وجہ سے بہت بھاری محسوس کرتا تھا۔

کچھ گھنٹوں بعد راستہ اچانک ایک غار کے منہ میں ختم ہو گیا۔ نوجوان پہلی دفعہ تھوڑی سی پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے رکا۔ بردان اس کا انتظار کر رہا کے اس خیال نے اسے ہمت عطا کی اور وہ آگے بڑھا۔

جیسے ہی وہ غار کے قریب پہنچا اسے ہلکی سی بھنبھناہٹ سنائی دی۔ یہ بھنبھناہٹ تیز سے تیز تر ہوتی گئی اور آخر

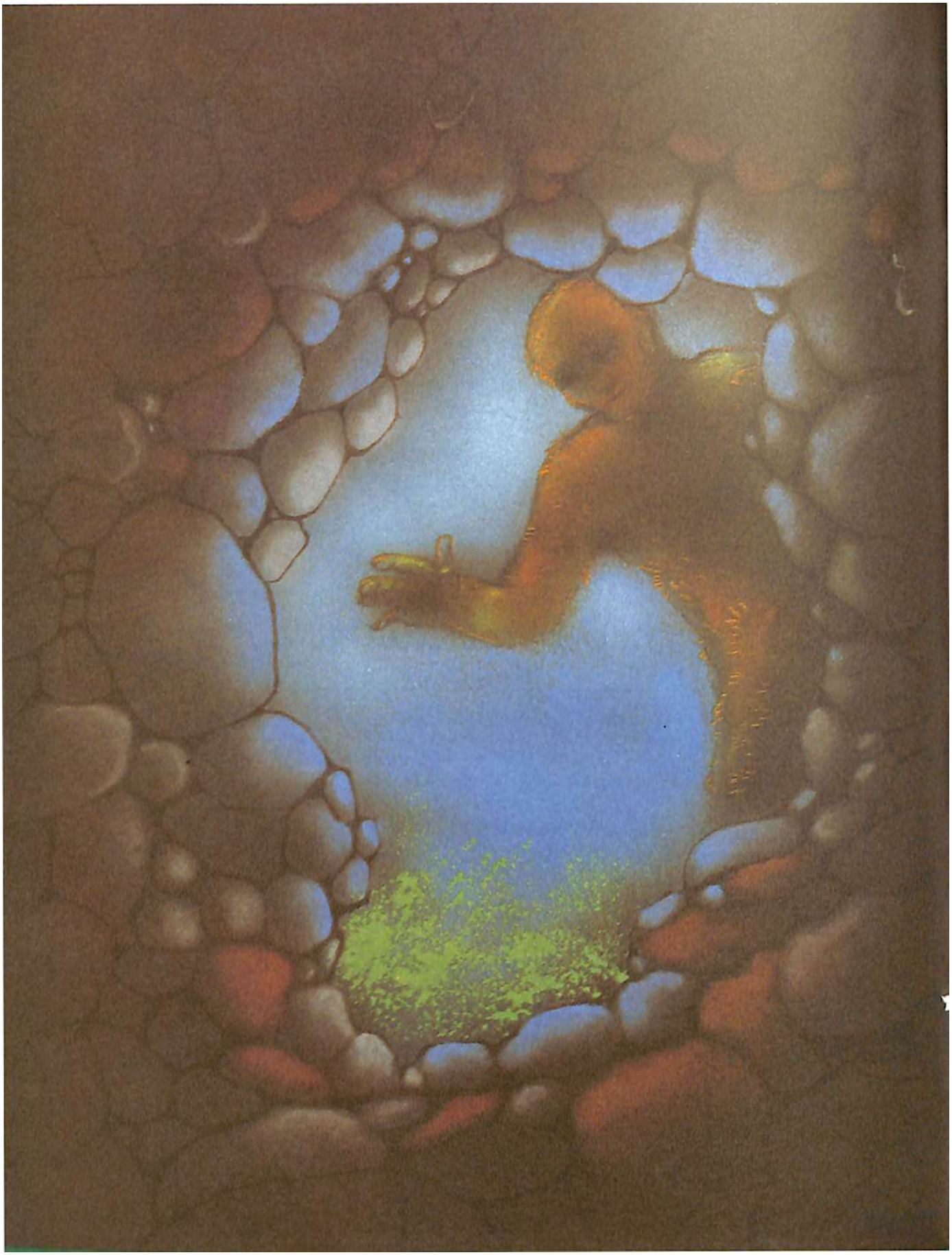

کار جب وہ غار میں داخل ہوا تو بھنبھناہٹ کی آوازیں بہرہ کرنے والی ہوگئی تھیں۔ اول تو تاریکی اس قدر ڈراؤنی تھی کہ وہ ساکت کھڑا ہوگیا۔ اس کے بعد جب اس کی آنکھیں اس تاریکی کی عادی ہونے لگیں تو اس نے شہد کی مکھیوں کی فوج کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے دبک گیا لیکن جب اس نے اپنی زرہ بکتر کے بارے میں سوچا تو دلیری سے چلتا گیا۔ شہد کی مکھیاں اس پر ٹوٹ پڑیں تاہم اسے کچھ محسوس نہیں ہوا۔ جب شہد کی مکھیوں نے اسے بار بار کاٹا تو مٹی کی خشک پرتوں سے دھول کے بادل اٹھنے لگے۔

''شہد کی مکھیاں دھول سے اندھی ہوجاتی ہیں''، اس نے فتح یابی سے سوچا۔ اب وہ اڑ جائیں گی اور مجھے پریشان نہیں کریں گی۔

لیکن شہد کی مکھیوں کی تازہ فوج غصے میں بھنبھناتے، دھول کا مقابلہ کرتے اور مٹی کی پرتوں میں گھسنے کی کوشش کرتے ہوئے اس پر بار بار ٹوٹ پڑیں۔ نوجوان تین منزلوں تک جاچکا تھا۔ تب اس نے اچانک ڈراؤنی چٹخنے کی آواز سنی۔

'شہد کی مکھیاں بھینس کے خول پر حملہ کررہی تھیں، اس نے مایوسی میں سوچا۔ وہ مٹی کی پرتوں کو برباد کرچکی ہیں۔ میرے تمام زرہ بکتر گرنے سے قبل مجھے دیوی تک ضرور پہنچ جانا چاہیے۔''

شہد کی مکھیاں بھینس کی خول کو چھید کرنے کی کوشش میں اس پر مسلسل حملہ کرتی رہیں۔ ان کی بھنبھناہٹ تیز سے تیز تر ہوتی گئی اور اس بھنبھناہٹ سے غار چاروں طرف سے گونج اُٹھا۔ جلد ہی نوجوان نے کھڑ کھڑاہٹ کی آواز سنی اور جانا کہ اب شہد کی مکھیاں دھات کی زرہ پر دھاوا بول رہی ہیں۔

''بھینس کا خول برباد ہوچکا ہے''، خوف سے اس نے سوچا۔ 'یہ شہد کی مکھیاں خطرناک ہیں۔ وہ مجھے دیوی تک پہنچنے سے قبل مارنے کی ٹھان چکی ہیں۔'

جب اس نے اپنی رفتار تیز کی اس وقت بھی شہد کی مکھیوں کا حملہ اس پر برقرار رہا۔ کھڑ کھڑاہٹ کی آواز بڑھتی گئی لیکن اس وقت تک نوجوان نے دوڑنا شروع کردیا تھا۔ خوف اور پختہ ارادے سے تحرک پاکر وہ اپنی پوری طاقت سے دوڑا۔ کچھ ہی دیر بعد اس نے ایک ٹن ٹناہٹ کی آواز سنی اور شدید درد محسوس کیا۔ دھات کی

زرہ بکتر گر چکی تھی۔ اور اب بھی شہد کی مکھیاں اس پر حملہ کر رہی تھیں۔ اس وقت اس نے روشنی میں دیکھا کہ غار ختم ہو چکا ہے اور دیوی کا مقام ٹھیک سامنے ہے۔

''اے دیوی، میری مدد کرو''، وہ چلّایا۔ ''ان شہد کی مکھیوں سے مجھے بچاؤ!''

اپنے بازوؤں سے ان شہد کی مکھیوں کو ہانکتے ہوئے اور اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کو محفوظ کرتے ہوئے وہ اتنا تیز دوڑا کہ اس سے قبل وہ اتنا تیز کبھی نہیں دوڑا تھا۔ اس نے اپنے تمام جسم پر شہد کی مکھیوں کے درد دینے والے ڈنکوں کو محسوس کیا جیسے وہ اس کے گوشت پر حملہ آور تھیں۔

بالآخر وہ اجالے میں آیا اور ایک دھندلی تصویر کے سامنے زمین پر دھڑام سے گر گیا۔ شہد کی مکھیاں واپس غار میں چلی گئیں لیکن وہ کسی چیز کے بارے میں واقف نہیں تھا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ دیوی جس کے پیروں پر وہ گرا پڑا تھا، اپنے ہاتھوں سے اسے مس کر رہی تھی اور اس کا چہرہ پُر رحم تھا۔

جب وہ اس کے سارے اعضاء کو چھو چکی تو اس کے حواس واپس آ گئے اور وہ اٹھ بیٹھا۔ اسے بہت تعجب ہوا کہ اس کے جسم پر ڈنک کا کوئی نشان نہیں تھا اور نہ ہی ناقابل برداشت درد جسے اس نے آخری وقت میں محسوس کیا تھا۔ ''یہ کیسے ہوا؟'' وہ چیخ اُٹھا۔ ''مجھے زندگی اور طاقت واپس کر دی گئی ہے!'' تب اس کی نگاہ اس کے سامنے موجود دیوی پر ٹک گئی اور وہ خاموش ہو گیا۔ وہ اتنی جوان اور اس قدر خوبصورت تھی کہ نوجوان حیران ہو گیا۔ وہ اپنے پہلے عزم کو بھول گیا اور محض اس کے چہرے کو دیکھنے پر اکتفا کر کے وہاں بیٹھ گیا۔

دیوی نے آخر کار خاموشی کو توڑا۔ اس کی آواز اس کے چہرے کی مانند صاف اور واضح تھی۔ ''تم نے بہت دُکھ جھیلا ہے''، اس نے کہا۔ ''اب نجات پا کر تم اپنے لیے ایک بردان (مُراد) کا انتخاب کرو گے۔'' انجام کار نوجوان نے اپنی آواز پائی اور اب اس کے مقاصد یکسر بدل چکے تھے۔

''اے خوبصورت دیوی'' وہ بے سوچے سمجھے کہہ اُٹھا کہ ''میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور کسی سے نہیں۔''

''میں ایک فانی سے شادی نہیں کرسکتی ہوں۔لہٰذا تمھاری خواہش دوسرے جنم میں پوری کی جائے گی۔''
ایسا کہہ کر وہ روشنی کی چمک نظروں سے اوجھل ہوگئی۔نوجوان ساکت پہاڑ پر تنہا رہ گیا۔''اگر میں اس سے صرف دوسرے جنم میں ہی شادی کرسکتا ہوں تو ابھی ہی مجھے اپنی زندگی ختم کرلینی چاہیے''،اس نے سوچا۔
جلد ہی وہ ایک پیڑ کے قریب مرا ہوا پایا گیا۔
اس حادثے کے کچھ دن بعد میں چولا راجارتی سینا سمندر کے کنارے اس کی پوجا کرنے کے لیے تیار کھڑا تھا جب ہی اس نے نیلے پانی پر تیرتے ہوئے ایک بچی کو دیکھا۔''یہ کیا ہے؟'' وہ چلایا اور حیرت زدہ ہوا۔
''اس بچی کو ڈوبنے سے پہلے فوراً بچاؤ۔''
اس کے نوکر پانی میں کود پڑے اور بچی کو راجا کے پاس لائے۔اس نے اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھا اور قسمت کے راستوں پر حیرت زدہ ہوا۔''اے خوبصورت بچی، چوں کہ میرے کوئی اولاد نہیں ہے اس لیے تم میری لڑکی ہوگی۔''اس نے بچی کو بتایا۔''میں تمھیں رانا رمبھا پکاروں گا۔''
جب راجا پیاری بچی کے ساتھ واپس آیا تو محل میں خوب خوشیاں منائی گئیں۔جلد ہی اس نے سب کے دلوں میں گھر کرلیا اور بالخصوص راجا کے جو اسے کبھی اپنی نظروں سے دور نہیں جانے دیتا تھا۔
جیسے جیسے دن گذرتے گئے ویسے رانا رمبھا حسن و جمال میں بڑھتی گئی۔راجا نے قدرتی طور پر یہ جان لیا تھا کہ اس میں کچھ روحانی چیز ہے جو اسے اس کی سکھیوں سے الگ رکھتی ہے۔اس لیے وہ اسے سب سے زیادہ پیار کرتا تھا۔جب اس کی خوبصورتی کی خبر عام ہوئی تو شادی کے رشتے بہت سی ریاستوں سے آنے لگے۔راجا نے ان سبھی رشتوں کو مسترد کردیا۔''میں اپنی عزیز لڑکی کو ایک معمولی حکمراں کو نہیں دے سکتا ہوں''،اس نے کہا۔''وہ ایک دیوی ساتھی کے لائق ہے۔''
ایک دن کشمیر کے راجا رانا دتیہ کا وزیر اپنے راجا کا پیغام لے کر آیا۔راجارتی سینا اسے انکار کرنے والا تھا کہ تبھی اچانک رانا رمبھا دربار میں داخل ہوئی اور اپنے پتا باپ سے اکیلے میں بات کرنے کی اجازت چاہی۔

''شادی کی اس پیشکش کو مسترد مت کرو''، اس نے بتایا۔ ''یہ شادی کی پیشکش کرنے والا سب سے بہتر ہے۔''

''یہ نہیں ہوسکتا ہے!'' حیرت زدہ راجا چلّایا۔ ''وہ دوسروں کی طرح ہے جو تمھارے لائق بالکل نہیں ہے''!

''نہیں''، راج کماری نے کہا۔ ''میں نے اس دھرتی پر محض اس سے شادی کرنے کے لیے جنم لیا ہے۔ میں نے اس سے اس کے پچھلے جنم میں وعدہ کیا تھا۔ سنو اور میں تمھیں وہ کہانی بتاؤں گی۔''

حیرت زدہ راجا نے اس دوران ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا۔ جب اس کی لڑکی نے اسے بتایا کہ وہ درحقیقت کون تھی اور پختہ ارادے والے نوجوان کی کہانی کیا تھا جس نے اب بحیثیت کشمیر کے راجا کے دوسرا جنم لیا تھا تو اس نے شادی کے لیے فوری طور پر اپنی منظوری دے دی اور جلد ہی رانا دتیہ خوشی سے رتی سینا کی ریاست کے لیے چل پڑا۔ جب رانا دتیہ نے خوبصورت راج کماری کو دیکھا تو اُسے اپنی پچھلی زندگی اور بردان فوراً یاد آیا۔

''میں اپنا وعدہ پورا کر چکی ہوں۔ جس کے مطابق آخر کار ہمیں شادی کرنی ہے۔'' رانا رمبھا نے کہا اور رانا دتیہ کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے بھر گئیں۔

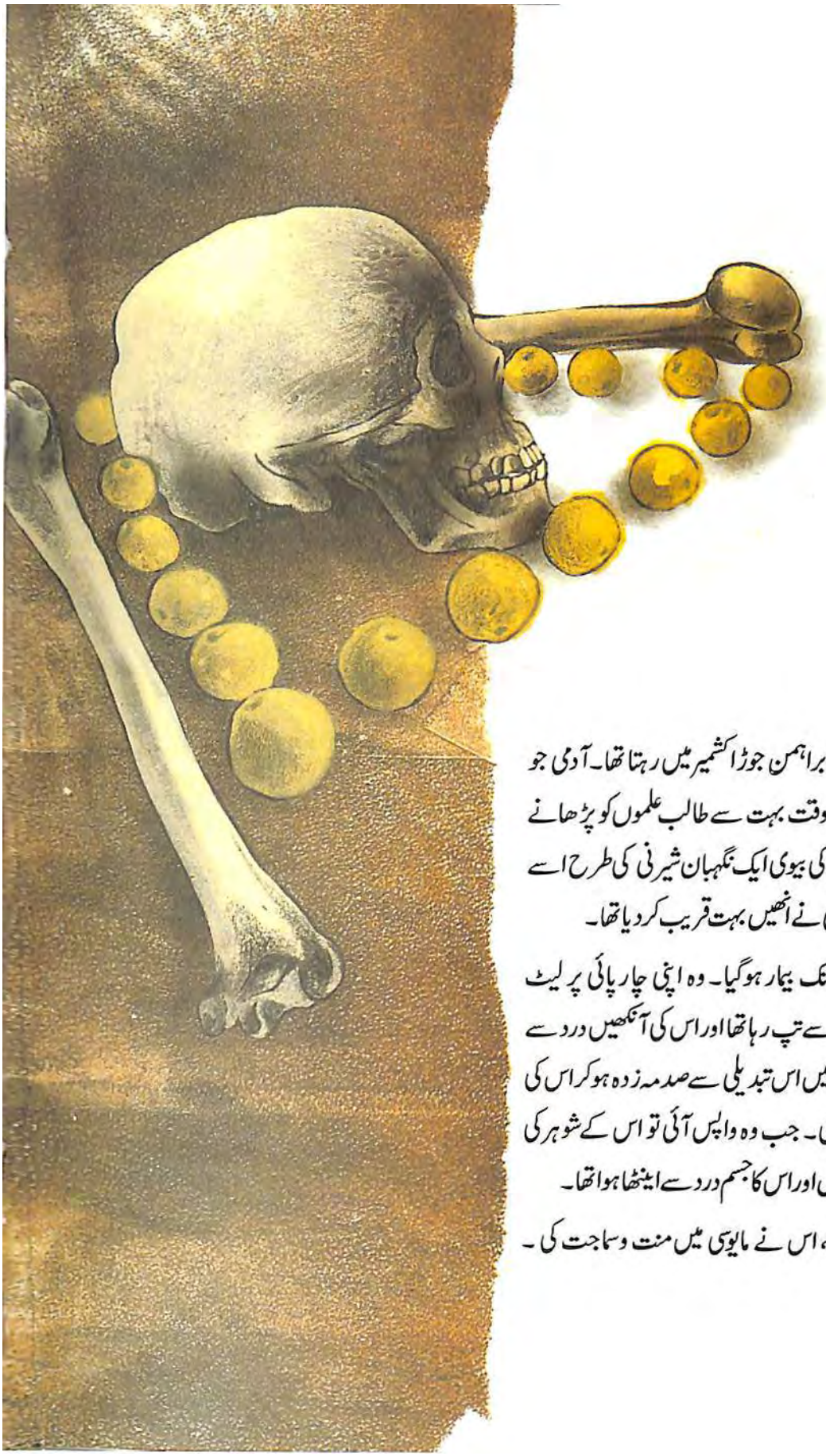

انصاف کی پکار

کسی زمانے میں ایک براہمن جوڑا کشمیر میں رہتا تھا۔ آدمی جو بہت پڑھا لکھا تھا، اپنا وقت بہت سے طالب علموں کو پڑھانے میں گزارتا جب کہ اس کی بیوی ایک نگہبان شیرنی کی طرح اسے دیکھا کرتی۔ بچے کی کمی نے انھیں بہت قریب کر دیا تھا۔

ایک دن براہمن اچانک بیمار ہو گیا۔ وہ اپنی چارپائی پر لیٹ گیا۔ اس کا جسم بخار سے تپ رہا تھا اور اس کی آنکھیں درد سے پھٹی ہوئی تھیں۔ اس میں اس تبدیلی سے صدمہ زدہ ہو کر اس کی بیوی ڈاکٹر کو بلانے گئی۔ جب وہ واپس آئی تو اس کے شوہر کی سانسیں پھول رہی تھیں اور اس کا جسم درد سے اینٹھا ہوا تھا۔

''مجھ سے بات کرو''، اس نے مایوسی میں منت وسماجت کی۔

''آپ کو کیا ہو گیا ہے''؟ براہمن نے اسے تقریباً بے نور آنکھوں سے ٹکٹکی باندھ کر دیکھا۔ ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کیا اور اس کے چہرے پر سکڑن کی لکیریں گہری ہو گئیں۔ براہمن کپکپایا اور مر گیا۔

''وہ مر چکا ہے''، ڈاکٹر نے کہا۔ ''اس کے علاج کے لیے بہت دیر ہو چکی تھی۔ میں نے اس طرح کی موت کبھی نہیں دیکھی ہے۔ میں اس کی بیماری کی ایک بھی وجہ نہیں سوچ سکتا ہوں۔ اس نے اپنا سر ہلایا اور اسے ایک طرح کی خاموش مایوسی میں اپنے شوہر کی لاش کو دیکھتے ہوئے چھوڑ گیا۔

براہمن کی موت کی خبر جلد ہی پھیل گئی اور اس کا گھر دوستوں اور رشتے داروں سے بھر گیا جو اس کی موت پر تعزیت کے لیے آئے تھے۔ جنازے کی چتا کے لیے تیاریاں کی گئیں جب کہ براہمنی دور ایک کونے میں بیٹھی رہی۔ جب وہ اس طرح بیٹھی ہوئی تھی تو اس کی کچھ سکھیوں نے اسے ایک افواہ کے بارے میں بتایا جسے وہ سن چکی تھیں۔

''تمھارے شوہر کو جادو کے ذریعے مارا گیا تھا''، ایک نے کہا۔ ''اور مجرم ایک جادوگر ہے جو مکشی کسوامن میں رہتا ہے۔ وہ تمھارے شوہر سے ہمیشہ حسد رکھتا تھا اور اس سے نفرت کرتا تھا''، دوسرے نے کہا۔

اس براہمن عورت کے گال تمتما اُٹھے۔ ''تمھیں اس کے لیے کیسے یقین ہوا'' اس نے پوچھا۔

''یہ وہی بات ہے جسے سبھی کہہ رہے ہیں'' انھوں نے جواب دیا۔ بیوہ عورت اُٹھ کھڑی ہوئی اور اس کی آنکھیں غصّے سے جل رہی تھیں۔ ''تب میں اس وقت تک آرام نہیں کروں گی جب تک میرے ساتھ انصاف نہ ہو جائے''، اس نے کہا۔

''لیکن''، دوسروں نے کہنا شروع کیا، ''ثبوت نہیں ہے۔ انصاف کیسے ہوگا.....!''

''خدا میری مدد کرے گا''، اس نے ناراضگی سے مداخلت کی۔ ''خدا میری مدد کرے گا۔ وہ مجھے ثبوت دے گا۔'' وہ تعزیت کا اظہار کرنے والوں کے پاس گئی۔ ''میں اپنے شوہر کے ساتھ چتا میں شامل نہیں ہوں گی''، اس نے مضبوطی سے کہا۔ ''میں قاتل کو سزا دوں گی اور تب ہی میں خود کو نذر آتش کروں گی۔''

دوسرے دن باعزم عورت راجہ کے محل گئی۔ اسے محافظوں نے دروازے پر روک دیا۔ ''راجا مصروف ہے''، انھوں نے کہا۔ ''ان کے پاس چھوٹے موٹے مسائل کے لیے وقت نہیں ہے۔''

''تب میں اس وقت تک انتظار کروں گی جب تم مجھے اندر جانے دو گے''، اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا اور دروازے سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی۔ گھنٹے گزر گئے وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

جیسے جیسے جھٹپٹے کا وقت آتا گیا، محافظوں کی بے چینی بڑھتی گئی۔ ''اس نے دن بھر کچھ نہیں کھایا ہے''، ایک محافظ نے کہا۔

''اسے وہاں بیٹھے رہنے دو۔'' دوسرے نے کہا۔ ''وہ اس سے جلد تھک جائے گی۔'' کچھ دوست عورت کی تلاش میں آئے لیکن اس نے ثابت قدمی سے گھر لوٹنے سے انکار کر دیا۔ ''میں یہاں بھوک سے مر جاؤں گی''، اس نے کہا۔ ''اگر خدا مجھے انصاف نہیں دے گا تو میں اس طریقے سے اپنے شوہر سے جا ملوں گی۔''

اس کے فاقے کے تیسرے دن کچھ افسر اسے راجا کے پاس لے گئے۔ وہ راجا چندر پدا کے سامنے اس کی دولت اور گرد و پیش کی شان و شوکت سے بے نیاز ہو کر جھکی۔

''تم اس طرح بھوک سے کیوں مر رہی ہو''، راجا نے پوچھا۔ ''مجھے اپنی کہانی بتاؤ'' اس نے افسوس ظاہر کیا کہ ''کچھ لوگوں نے دغا بازی سے میرے شوہر کو قتل کر دیا ہے۔ اے انصاف پرور راجا کیا یہ آپ کے لیے شرمناک نہیں ہے کہ ایک امن پسند رعایا بے وقت مر جائے؟''

جب راجا نے یہ دکھ بھری کہانی سنی تو رحم سے متاثر

ہوا۔ جادوگر کو دربار میں بلایا گیا۔

جب بپھری ہوئی عورت نے اس کے مکار چہرے کو دیکھا تو بمشکل وہ اپنے غصّے کو قابو میں رکھ سکی۔

''اپنے جرم کا اقبال کرو''، راجا نے سختی سے حکم دیا۔ ''تم نے اس عورت کے شوہر کا خون کیا ہے۔''

''مہاراج، آپ مجھ پر غیر منصفانہ طور پر الزام لگا رہے ہیں''، جادوگر نے فوراً جواب دیا۔ ''اگر میں نے کسی کا خون کیا ہے تو اس کا ثبوت ہونا چاہیے۔''

راجا کا چہرہ گھبراہٹ میں پیلا پڑ گیا۔ اسے برخاست کرتے ہوئے وہ عورت سے مخاطب ہوا۔ ''ہم اس آدمی کے ساتھ کیا کریں جس کا جرم ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے؟ میں اسے سزا نہیں دے سکتا ہوں۔ میں مجبور ہوں۔''

''تب میں بھوک سے مر جاؤں گی''، اس نے کہا اور اس کی آنکھیں غصّے سے دمک رہی تھیں۔ وہ دربار سے چلی گئی اور راجا دکھ اور فکر سے پریشان تھا۔ ''میں بحیثیت ایک راجا کے اپنے فرائض میں ناکام ہو چکا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''اس لیے میں بھی بھوک سے مر جاؤں گا۔'' اس نے رانیوں اور وزیروں کے احتجاج کو نظر انداز کر دیا۔ ''میری رعیت میرے راج میں غیر محفوظ ہے''، وہ کہتا رہا ''میری وجہ سے یہ نیک عورت دکھ اٹھا رہی ہے۔''

بہرحال اس کے فاقے کی تیسری رات کو بھگوان وشنو خواب میں اس سے مخاطب ہوئے۔ ''چندر پد اتمھاری فکر سے خوش ہوں اور تمھارے مقصد کو پورا کروں گا۔ یہ جو میں بتا رہا ہوں تمھیں ضرور کرنا ہے۔ میری مندر کے صحن میں کچھ چاول کے آٹے کے چھینٹ دو اور رات میں جادوگر کو مندر کا تین دفعہ چکر لگانے کو کہو۔ وہ جب ایسا کر چکے اور اس کے خود کے پیچھے پیروں کے نشانات دکھائی دیں تو جان لو کہ وہ قاتل ہے۔''

راجا اچانک جاگ اُٹھا اور فوراً اپنے افسروں کو مندر کے صحن میں چاول کے آٹے چھینٹنے کا حکم دیا۔ دکھیاری عورت کو جلدی سے بلایا گیا۔ جادوگر جسے محل میں نظر بند کر دیا گیا تھا، کو بھی بلایا گیا جو وہاں مغموم اور پریشان کھڑا تھا۔

''اب'' راجا چلایا،'' مندر کے چاروں طرف تین دفعہ چلو۔'' جادوگر نے چاول کے آٹے پر اپنی چال شروع کی۔ راجا نے خوف زدہ ہو کر دیکھا۔ جب وہ اپنا تیسرا چکر پورا کر چکا تو راجا صحن کا معائنہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ اور وہاں جادوگر کے پیروں کے نشانات کے پیچھے چھوٹے اور صاف دکھائی دینے والے پیروں کے نشان کے جوڑ تھے۔

راجا نے فتح کی پکار لگائی اور مجرم سے مخاطب ہوا۔ بدمعاش! بدنام زمانہ قاتل! دیوتاؤں نے تمھارے جرم کا اعلان کر دیا ہے۔ تم نے ایک نیک آدمی کا خون کیا ہے اور تم دوزخ کے عذاب کو جھیلو گے۔''

جادوگر کو لے جایا گیا اور وہ اس طرح آسانی سے پکڑے جانے پر برہم اور حیرت زدہ تھا۔ راجا براہمن عورت کے پاس گیا۔ جسے یہ سارا منظر ایک خواب کے مانند معلوم ہوا۔ ''اس تاخیر کے لیے مجھے معاف کریں''، اس نے کہا۔

''اب اپنے فاقہ کو ختم کر دو اور گھر جاؤ۔''

''میرا بغیر پتی کے کیسا گھر ہے؟، اس نے کہا اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ''لیکن آپ نے ان کی موت کا بدلہ لینے میں میری مدد کی ہے۔ اے

راجا، جب تک تم اس زمین پر حکومت کرو گے، انصاف ہی کا راج ہوگا۔'' اور اس طرح انصاف کی پکار کا جواب دیا گیا۔

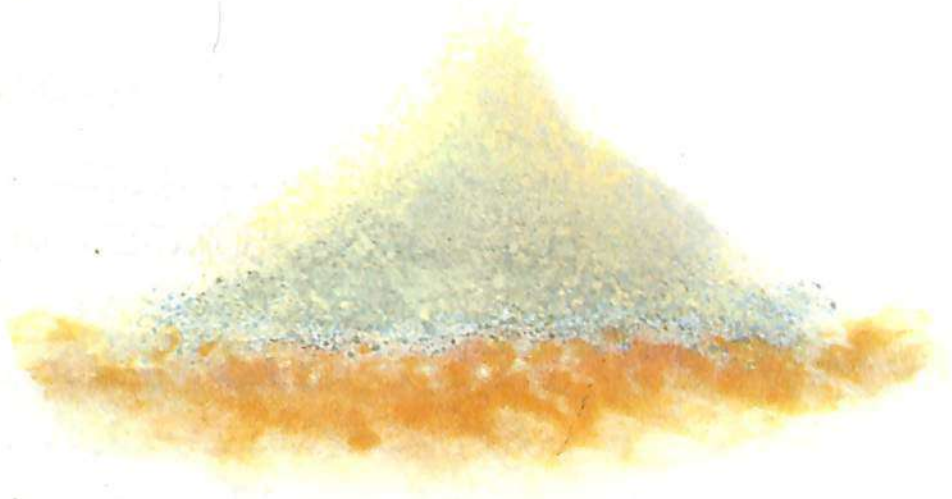

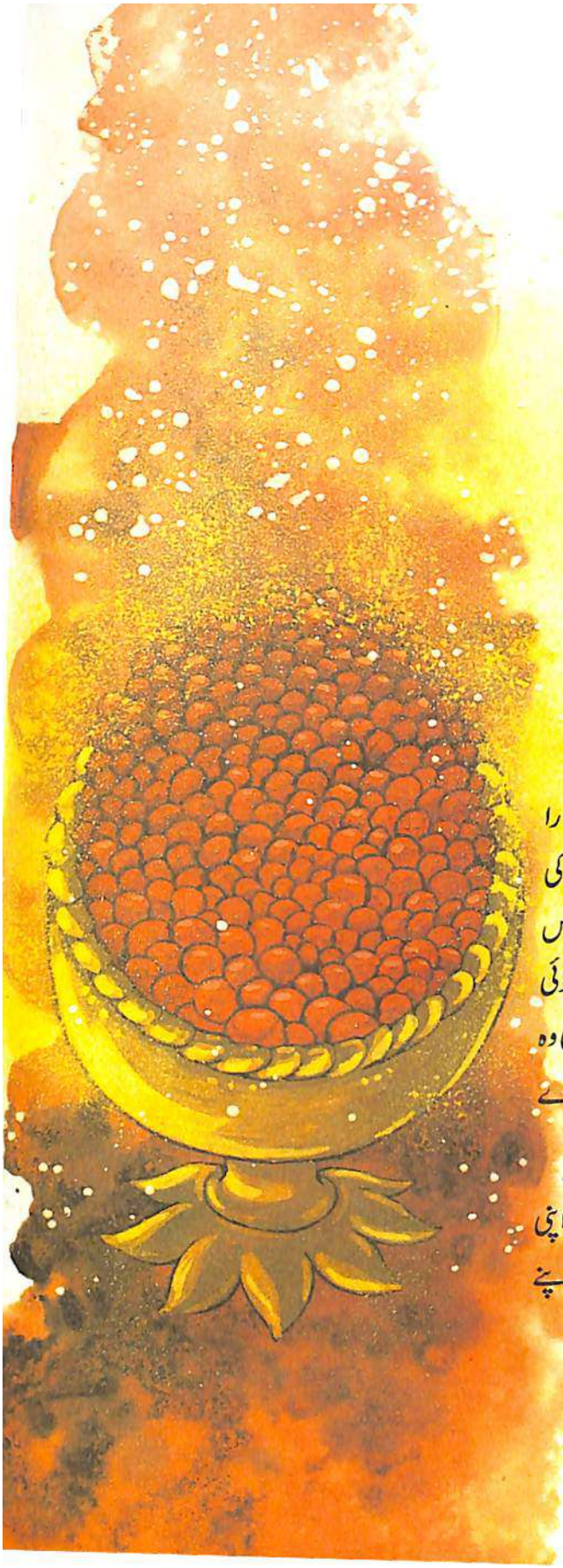

خدا کا پسندیدہ

کسی زمانے میں ایک راجا تھا جو للت آدتیہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ وہ اپنے درباریوں کی نظروں میں قریب قریب جادو کی صلاحیت کا حامل معلوم ہوتا تھا۔ کوئی ایسی جنگ نہ تھی جسے اس نے جیتا نہ ہو۔ کوئی ایسا خطہ نہ تھا جسے اس نے فتح نہ کیا ہو، کوئی ایسا راجا نہیں تھا جو اس کے سامنے نہ جھکا ہو۔ جہاں کہیں بھی وہ اپنی فتوحات کا اعلان کرسکتا تھا وہاں اس نے بڑے بڑے مندروں، مزاروں اور محلوں کی تعمیر کی۔

ایک دن للت آدتیہ نے مشرقی سمندر کی مہم کے دوران اپنی فوجوں کو سمندر کے کنارے پڑاؤ ڈالنے کو کہا۔ اس نے اپنے خادم کو بلایا ''میرے لیے کچھ (جنگلی پھل) کپتّا لاؤ۔''

ایک پریشان کن کیفیت خادم کے چہرے پر نمودار ہوئی۔ وہ جھکا اور محض چند منٹوں میں واپس آنے کے لیے چلا گیا۔ ''مہاراج، مجھے معاف کریں، لیکن کیا آپ کپتا کے پھلوں کی خواہش رکھتے ہیں اور کسی دوسرے پھلوں کی نہیں؟''

للت آدتیہ نے غصے میں اپنی بھنویں چڑھائیں۔ ''ہاں، میں نے کپتا کے پھل کہے تھے۔ ابھی جاؤ اور میرے لیے اس کے کچھ پھل لے آؤ۔ میں اس کی مٹھاس کا مزہ چکھنے کے لیے بے تاب ہوں۔''

خادم دوسرے خادموں کے ساتھ پریشانی کے عالم میں اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ''کپتا کے پھل یہاں نہیں پیدا ہوتے ہیں''، ان میں سے ایک دوسرے سے بڑبڑایا۔ ''کیا راجا یہ نہیں جانتا ہے؟''

ٹھیک اسی وقت خوبصورت کپڑوں میں ملبوس اور مطلوبہ پھل کی تھالی لیے ہوئے ایک اجنبی نمودار ہوا۔ راجا کا دربان آگے بڑھا اور اس سے تھالی کو لے لیا۔

''تم کون ہو؟'' للت آدتیہ نے پوچھا۔ ''تمہارا مالک کون ہے؟''

''میں دیوتاؤں کے سردار مہان اندر کی خدمت کرتا ہوں اجنبی نے جواب دیا۔ ''میں نندن باغ کا رکھوالا ہوں۔ اے راجا، انھوں نے یہ پھل آپ کے لیے بھیجے ہیں اور ایک پیغام بھی جسے مجھے آپ کو اکیلے میں دینا ہے۔'' راجا نے دوسروں کو برخاست کیا اور تب اجنبی نے کہا۔ ''اے راجا، یہ اندر کا پیغام ہے۔ یہ الفاظ سخت ہو سکتے ہیں تاہم وہ ہی موزوں ہیں لہٰذا مجھے معاف کریں۔''

راجا نے ہاں میں سر ہلایا۔ ''مہان اندر کیا کہتے ہیں؟''

''انھوں نے مجھے آپ کو آپ کے پچھلے جنم کی بابت یاد دلانے کو کہا تھا۔'' راجا نے یاد کرنے کی کوشش میں ماتھے کو سکوڑا ''مجھے کچھ بھی یاد نہیں آتا ہے''، اس نے کہا۔ ''براہِ کرم مجھے سب کچھ بتائیں۔'' ''آپ اپنے پچھلے جنم میں گاؤں کے ایک امیر آدمی کے ہل جوتنے والا تھے''، پیغام بر نے کہا۔ ''ایک دفعہ گرمی کے موسم میں دن کے ختم ہونے پر آپ بیلوں کو جوتنے کے بعد پیاسے اور تھکے تھے۔ عین اسی وقت کوئی آپ کے مالک

کے گھر سے آپ کے لیے پانی کا جگ اور روٹی لے کر آیا۔ آپ نے اپنے ہاتھ پاؤں دھوئے اور کھانا کھانے والے ہی تھے کہ ایک پھیری کرنے والا براہمن آیا جو بے دم ہو کر گرنے کی کگار پر تھا۔ اس نے کہا 'مت کھاؤ'۔ میں سخت قحط کی وجہ سے مر رہا ہوں اور میں تب تک نہیں مروں گا جب تک کچھ کھا نہیں لیتا۔''

''تب میں نے کیا کیا''؟ للت آدتیہ نے بالکل کہانی میں ڈوب کر پوچھا۔

پیغام برمسکرایا۔'' آپ نے مصیبت زدہ براہمن پر رحم و کرم فرمایا۔ آپ نے آدھی روٹی اور پانی کا جگ دلاسے کے بول کہتے ہوئے اسے دے دیا۔ اس بھینٹ نے جسے آپ نے بڑی خوشی سے کی تھی، سورگ میں آپ کے لیے ایک سو خواہشیں حاصل کر لی ہیں۔ چوں کہ آپ نے پانی کی بھینٹ دی تھی اس لیے محض آپ کی خواہش پر ریگستان کے راستوں پر نالے نمودار ہوئے۔''

راجا اس سے بہت متاثر ہوا۔

''تاہم''، پیغام برجاری رہا،''اندر کہتے ہیں کہ کچھ ہی خواہشیں بچی ہوئی ہیں کیوں کہ آپ اپنی ایما پر انھیں لاپرواہی سے ضائع کر چکے ہیں۔ مثال کے طور پر کپتا کے پھل سرد موسم میں مشرقی سمندر پر کیسے پائے جاسکتے ہیں؟ اس کے باوجود چوں کہ آپ نے ان پھلوں کے لیے کہا تو مشرقی خطّے کے محافظ اندر نے کسی طرح آپ کی خواہش کو پورا کر دیا ہے۔ دھیان دیں۔ آپ کو بغیر سنجیدہ غور و فکر کے حکام نہیں دینے چاہیں۔ اپنی بچی ہوئی خواہشوں کو ضائع مت کرو۔''

پیغام برتب جھکا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ان انکشافات پر حیرت زدہ ہو کر راجا ایک بھینٹ کی بڑی طاقت کے اوپر سوچنے کے لیے مجبور ہوا۔ وہ اندر کا ممنون ہوا اور مستقبل میں اپنے احکام کے تئیں محتاط رہنے کا تہیّہ کیا۔

اس واقعہ کے بعد، جلد ہی ایک محاذ کے دوران للت آدتیہ کی فوج ایک آدمی کے ذریعے آگے بڑھنے سے روک دی گئی، جو اچانک نمودار ہوا تھا اور شاہی ہاتھی کے سامنے خود کو پھینک دیا تھا۔

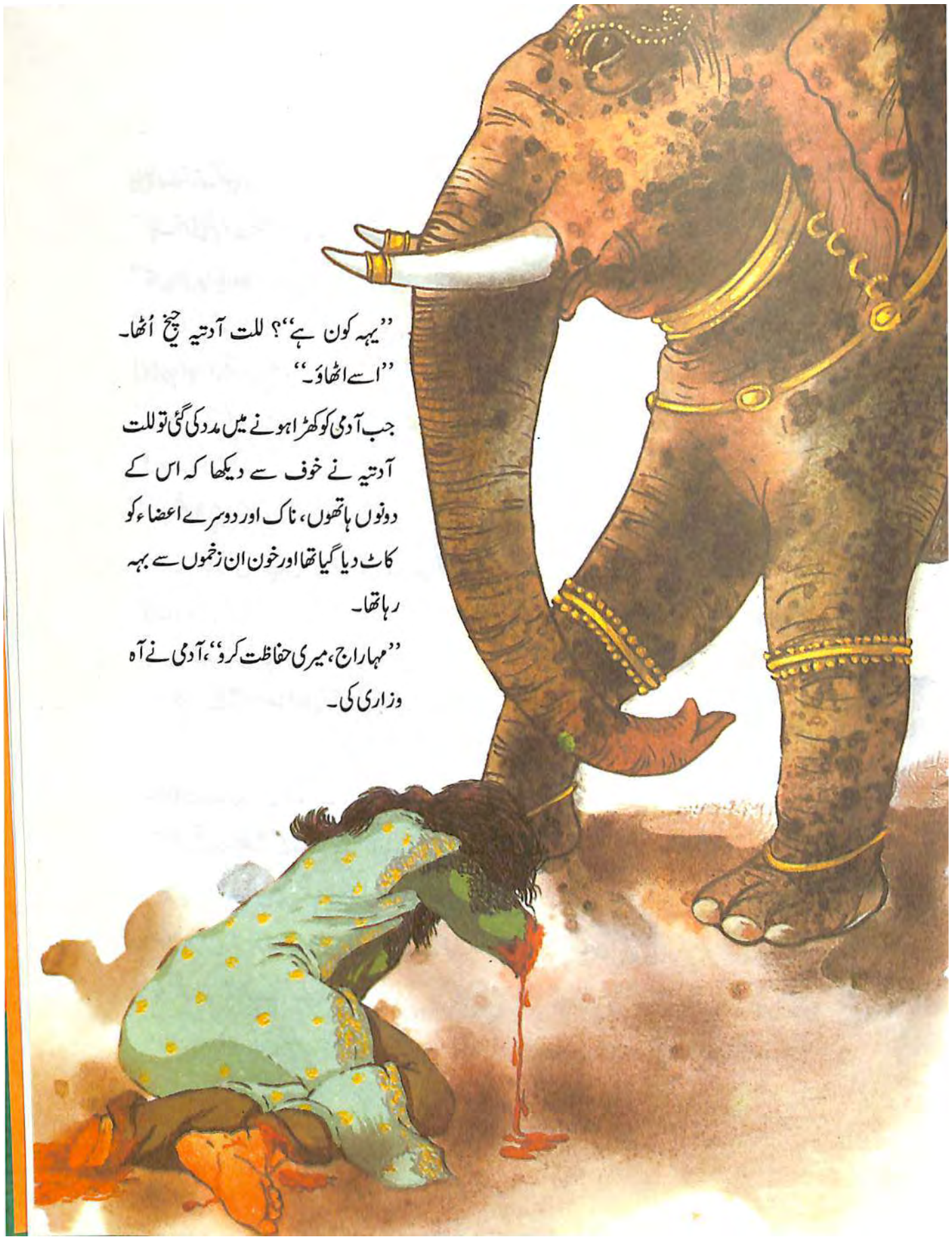

''یہہ کون ہے''؟ للت آدتیہ چیخ اُٹھا۔
''اسے اٹھاؤ۔''

جب آدمی کو کھڑا ہونے میں مدد کی گئی تو للت آدتیہ نے خوف سے دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھوں، ناک اور دوسرے اعضاء کو کاٹ دیا گیا تھا اور خون ان زخموں سے بہہ رہا تھا۔

''مہاراج، میری حفاظت کرو''، آدمی نے آہ وزاری کی۔

راجا نے ترس کھایا۔

''نیک آدمی تم کون ہو''؟ اس نے پوچھا۔ ''تمھارے زخموں کے لیے کون ذمہ دار ہے''؟

''میں اس راجا کا وزیر ہوں جو سمندر کی ریت کے قریب حکومت کرتا ہے''، دوسرے نے جواب دیا۔ ''مجھے معلوم ہوا کہ آپ اس راستے سے آ رہے تھے اور میں نے اسے آپ کے سامنے حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ اس پر راجا اس قدر برہم ہوا کہ اس نے اس طریقے سے مجھے سزا دی۔''

''بدمعاش!'' للّی تادتیہ چلّا لیا۔ ''میں تمھارے مالک کو سزا دوں گا۔ اس دوران تمھارے زخموں کی مرہم پٹی کی جائے گی۔''

ڈاکٹر زخمی آدمی کے معائنہ کے لیے آگے آیا۔ جب یہ کیا جا چکا تو راجا نے اپنی مہم پھر شروع کر دی۔

''اے راجا، میں آپ کی اس مروت کے لیے ممنون ہوں''، زخمی وزیر نے کہا۔ ''میں بھی انتقام کا پیاسا ہوں۔ تاہم جس راستے سے آپ جا رہے ہیں وہ بہت لمبا ہے اور میری زمین تک پہنچنے میں تین مہینہ لگ جائیں گے۔ میں آپ کو ایک راستہ دکھاؤں گا جو صرف پندرہ روز میں طے کیا جا سکتا ہے۔ تب آپ میرے راجا اور اس کی تمام مصاحبوں کو آسانی سے پکڑ سکتے ہیں۔''

اس طرح للت آدتیہ اور اس کی فوج سمندر کی ریت میں کود پڑی۔ وہ سخت دھوپ کا سامنا کرتے ہوئے ریگستان سے کئی دنوں تک آگے بڑھتے گئے۔ جب پندرہ روز گزر چکے تو ان کے پانی کی رسد ختم ہو گئی۔

''ہمیں کتنی دور اور آگے جانا ہے؟'' راجا نے پوچھا ہے۔

''مزید ایک یا دو دن میں، ہم اپنی منزل تک پہنچ جائیں گے۔''

''اگر ایسا ہے تو ہم آگے بڑھیں گے'' راجا نے کہا۔ اور تھکے ہوئے سپاہی اپنی پیاس کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہوئے آگے بڑھے۔

دو دن بعد راجا نے قیام کرنے کا حکم دیا۔

''میرے سپاہی پیاس سے بے حال ہیں''، اس نے کہا۔''اگر یہ اس طرح سے چلتے رہیں گے تو مر جائیں گے۔ کتنا راستہ اور باقی ہے؟''

وزیر نے شیطانی ہنسی سے جواب دیا۔''ارے، آپ جو فاتح ہونے کی خواہش کرتے ہیں! کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ دشمن کی زمین یا یما کی سلطنت تک کتنا راستہ باقی ہے؟''

راجا کی بھنویں غصّے میں کالی ہوگئیں۔''یہ تم کیا کہتے ہو'' وہ گرجا۔''اے راجا، وزیر نے جواب دیا، میں اپنے مہاراج کے فائدے کے لیے کام کر رہا تھا۔ میں نے خود کو زخمی کیا اور آپ کو عیاری سے موت کے منہ تک لے آیا۔ آپ اس ریگستان میں پانی نہیں پائیں گے۔ اب آپ کی حفاظت کون کرے گا؟''

وہ دوبارہ ہنسا اور سپاہی وحشت میں چیخ اُٹھے۔''ہم مر جائیں گے!''انھوں نے افسوس ظاہر کیا۔''افسوس! اس آدمی نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔ ہم پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے ہیں۔''

راجا خوف زدہ سپاہیوں کا سامنا کرنے کے لیے مڑا اور اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا۔ انھوں نے چلّانا بند کر دیا اور اسے قابلِ رحم آنکھوں سے ایک ٹک دیکھنے لگے۔

''اے وزیر،'' راجا نے کہا''ہم خوش ہیں جو کچھ تم نے اپنے مالک کی سیوا کے لیے کیا ہے۔ آج میں تمھیں تمھاری اس قربانی پر افسوس کراؤں گا کہ یہ بیکار تھا۔ اے، بے وقوف تم نہیں جانتے ہو کہ تم کس کی مخالفت کر رہے ہو۔ دیکھو! محض میرے حکم پر زمین ابھی پانی پیدا کرے گی۔''

راجا نے تب اپنی برچھی زمین پر ماری۔ یکا یک وہاں سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ سپاہی حیرت سے چیخ اُٹھے اور چشمے کی جانب دوڑے۔ وزیر خوف سے کانپ اُٹھا۔

''اپنے راجا کے شہر کا راستہ دکھاؤ''، راجا گرجا۔

انکار کی جسارت نہ کرتے ہوئے ناکام وزیر راجا کی فوج کو اپنی ریاست تک لے آیا اور للت آدتیہ شہر میں فتح یابی سے داخل ہوا۔

اس نے فریبی حکمراں کو سزا دی اور اس کی سلطنت کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

اس طرح سے للت آدتیہ ایک فاتح عالم ہوا۔ اور آخر کار جب وہ مرا تو بیشتر لوگ کہتے ہیں کہ وہ غیر فانی دنیا کی طرف چلا گیا جہاں سے درحقیقت وہ تعلق رکھتا تھا۔

خوشیوں بھری زندگی والا راجا-I

ایک دفعہ ایک شہر، آدم خور شیر کی وجہ سے دہشت زدہ ہو گیا تھا۔ شہری جھٹپٹے کے بعد سے گھر کے اندر رہتے تھے لیکن آدمیوں، ہاتھیوں اور گھوڑوں کے مرنے کی تعداد تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ ہر ایک خوف کے چنگل میں تھا۔ تب ایک صبح، شیر اپنے دانتوں میں بازو بند کے ساتھ مرا پایا گیا۔

''اس پر جیاپدا کا نام لکھا ہے''، ایک سپاہی نے راجا جینت کو خبر دی۔

''جیاپدا؟'' جینت زور سے چیخا۔ ''لیکن وہ تو کشمیر کا دیش نکالا حکمراں ہے۔ اس کے سالے ججا نے گدی زبردستی چھین لی ہے۔ اس کی تلاش کرو اور اسے میرے پاس فوراً لے آؤ۔ میں اس سے اپنی لڑکی کی شادی کروں گا۔'' جیاپدا، جینت کے مخبروں

کے ذریعے جلد ہی ڈھونڈ لیا گیا اور راجا کے سامنے لایا گیا۔

''اے طاقت ور راجا، خوش آمدید''، جینت نے کہا۔ ''آپ نے اپنی موجودگی سے ہمیں عزت بخشی ہے۔ اور آپ نے ہمیں ایک بڑے خطرے سے نجات دلائی ہے۔''

''میں نے شیر کے بارے میں سنا تھا''، جیاپدا مسکرایا۔ اس کی شریف النفسی اور اعلیٰ ظرفی کے سبب دربار میں موجود سبھی لوگوں نے اسے عزت دی۔ ''میں نے سوچا کہ شیر کو مارنا میرا فرض ہے۔ میں جلد ہی غدّار ججا کو شکست دینے میں آپ کی مدد کروں گا''، جینت نے وعدہ کیا۔

اس طرح جینت کی لڑکی کلیان دیوی سے شادی کرنے کے بعد جیاپدا ایک بڑی فوج کے ساتھ کشمیر میں داخل ہوا اور ججّا کو شکست دی۔ کچھ وقت تک وہ خاموشی سے حکومت کرنے میں مطمئن تھا لیکن رفتہ رفتہ وہ دوسرے ملکوں کو فتح کرنے کے لیے بے تاب ہو اُٹھا۔ اس نے مشرقی علاقے کی جانب کوچ کیا جہاں ایک رات وہ خود اور اس کے سپاہیوں نے سادھوؤں کی شکل اور لباس اختیار کر کے وہاں کے راجا بھیم سین کے قلعہ بند شہر میں چپکے سے داخل ہوئے۔ جب وہ انھیں ڈھونڈ رہے تھے تو ایک اجنبی راجا کے کندھا سے کندھا رگڑ کر چلا اور اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ جیاپدا نے اسے پہچان لیا کہ وہ ججا کا بھائی سدھا تھا۔ وہ فوراً بچ نکلنے کے طریقوں پر سوچنے لگا لیکن تب تک سدھا راجا تک دوڑ گیا تھا اور اس کی مخبری کی، اور جیاپدا کو جیل میں ڈال دیا گیا۔

کچھ ہی دنوں تک وہ بچ نکلنے کے مختلف طریقوں پر غور کرتا ہوا وہاں سڑتا رہا۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ عام محافظ غائب تھا۔ ''وہ کہاں گیا ہے؟'' اس نے دوسرے محافظوں سے پوچھا۔

''وہ خطرناک بیماری لوتا سے مر گیا ہے''، انھوں نے جواب دیا۔ یہ بیماری پورے ملک میں پھیل چکی ہے۔''

یہ سن کر چالاک قیدی نے کچھ کھانوں کو کھا کر اپنے جسم کے اوپر پھپھولے پیدا کرنے کی کوشش کی۔

کچھ دنوں بعد محافظ اسے دیکھ کر خوف سے چلّائے۔ ''اسے لوتا بیماری لگ گئی ہے۔ ہمیں راجا کو ضرور خبر کرنی

چاہیے۔'' بھیم سین محتاط ہوا اور اپنے محافظوں کو اسے ملک سے نکال باہر کرنے کا حکم دیا۔ اس طرح بچ کر نکل کے جیاپدا نے قلعہ بند شہر کو حاصل کرنا اور بھیم سین کی مقبولیت کو ختم کرنا آسان کام سمجھا۔

''مجھے کامیابی سے ہمت ملی ہے''، اس نے اپنے وزیروں کو بتایا۔ ''اب ہمیں نیپال کے راجا آرامدی پر حملہ کر دینا چاہیے۔ اس طرح جوش و ولولے سے پُر جیاپدا نے نیپال کی جانب کوچ کیا۔ لیکن خلاف توقع آرامدی نے اس سے مقابلہ نہیں کیا اور اپنی فوج کو بہت دور ہٹا دیا۔''

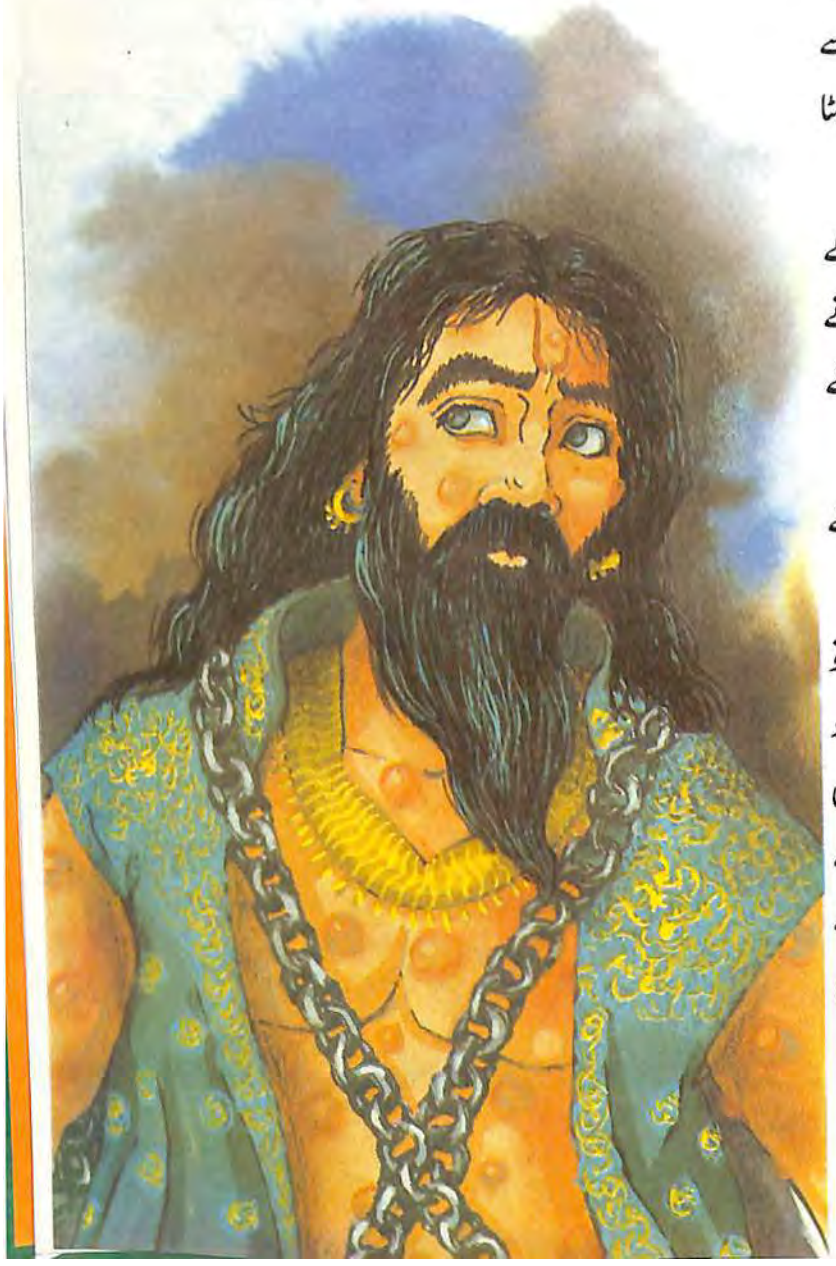

''ہم اس کا اس طرح سے پیچھا کریں گے جیسے شاہین کبوتر کا کرتا ہے''، جیاپدا نے اعلان کیا۔ وہ اپنے سپاہیوں کو آگے بڑھاتا چلا گیا۔

آخر کار دونوں فوجیں ندی کے پار آمنے سامنے آئیں۔

جب جیاپدا نے آرامدی کی فوج کو دیکھا تو فتح کے جوش میں چلّا اٹھا اور ندی میں کود پڑا۔ ''میرے پیچھے آؤ!'' وہ اپنے فوجیوں کو لیے چلّایا۔ ''ہم اس گھٹنے بھر پانی سے گزر جائیں گے اور اسے شکست دے دیں گے۔'' لیکن جب راجا منجدھار میں

پہنچا تو ندی کا پانی آنے والے جوار بھاٹا کی وجہ سے بڑھ گیا تھا اور اس کے آدمیوں، ہاتھیوں اور گھوڑوں سب بہا لے گیا۔ ان کی دُکھ بھری آہ و بکا اُس کے کانوں میں گونجی حالاں کہ وہ بھی پانی کی طاقت کے خلاف جدوجہد کر رہا تھا۔ اس کے کپڑے بھنور کی لہروں سے پھٹ گئے تھے۔ اسی وقت آرامدی کے بہت سے لوگ اسے ندی سے نکال کر کنارے پر لائے۔

آرامدی اپنے بھیگے ہوئے مدد مقابل کو دیکھ کر ہنسا۔ ''اسے سامنے والے پتھر کے قلعہ میں ڈال دو''، اس نے حکم دیا۔ یہ مضبوط اور اونچا قلعہ ہے اور وہ وہاں سے بھاگنے کی امید نہیں کر سکتا ہے۔''

''افسوس!'' بدقسمت جیاپدا نے سوچا۔ ''اب میں کیا کروں گا؟ قید خانہ میں ڈالے جانے پر جیاپدا دکھ اور مایوسی کے عالم میں رہا۔ ''ندی بہت نزدیک ہے۔'' اس نے سوچا، تاہم میں بھاگ نہیں سکتا ہوں۔ اگر میں اس اونچائی سے کودوں گا تو یقیناً ڈوب جاؤں گا۔

جیسے جیسے دن گزرتے گئے اس کی امیدیں کم ہوتی گئیں۔ تب ایک دن خلاف توقع اس کا وزیر دیوشرمن اس سے ملنے آیا۔

''ہمیں تنہا چھوڑ دو''، دیوشرمن نے محافظوں سے کہا۔ ''میں قیدی سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔''

جب وہ اکیلے ہوئے تو اس نے راجا کو ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے گلے لگایا۔ ''افسوس! کہ آپ جیسے مہان راجا کو کیا اس طرح سے دکھ اٹھانا چاہیے۔''

''تم یہاں کیسے؟'' حیران زدہ جیاپدا نے آرامدی سے پوچھا.....اے راجا دھیان سے سنو''، دیوشرمن نے آہستہ سے بولتے ہوئے قطع کلام کیا۔ ''میں نے آرامدی کو یہ یقین دلا کر دھوکا دیا ہے کہ میں کشمیر اور آپ کے سارے خزانے اسے دے دوں گا۔ آپ کی فوج دوسرے کنارے پر چھپی ہوئی آپ کا انتظار کر رہی ہے۔''

''اس نے تمھیں مجھ سے ملنے کی کیسے اجازت دی ہے؟'' راجا نے پوچھا۔

''میں نے اسے یہ بتایا کہ خزانے کی جگہ صرف تم جانتے ہو''، وزیر مسکرایا اور میں تمھیں یہ سوچنے میں بیوقوف بناؤں گا کہ خزانے کی ادائیگی کرنے پر تمھیں آزاد کر دیا جائے گا۔''

''میں کیسے بھاگوں گا''؟ راجا نے ٹوکا۔ ''میں غیر مسلح اور بے بس ہوں۔''

''تاہم آپ نے اپنی طاقت باقی رکھی ہے''، دیوشرمن نے کہا۔ ''کیا آپ اس کھڑکی سے ندی میں کود سکتے ہیں اور اسے پار کر کے اپنی فوج سے مل سکتے ہیں''؟

''میں ہوا بھرے ہوئے چمڑے کے بغیر یہ کیسے کر سکتا ہوں''؟ جیاپدا نے مداخلت کی۔ ''اگر میں اس اونچائی سے ندی میں کودوں گا تو میں بنا ہوا بھرے ہوئے چمڑے کے اوپر نہیں آ سکتا ہوں۔'' ''اے راجا، میرے پاس ایک منصوبہ ہے''، دیوشرمن نے کہا۔ ''باہر جاؤ اور کچھ وقت انتظار کرو۔ تب اکیلے واپس آنا اور آپ یہاں ندی پار کرنے کا ایک آلہ دیکھیں گے۔ اس کا استعمال بلا جھجک کرنا۔''

''اس کے مطابق، راجا باہر گیا اور کسی طرح واپس آنے میں کچھ تاخیر کی۔ جب وہ کمرے میں دوبارہ داخل ہوا تو اس نے دیوشرمن کو زمین پر مرا ہوا پڑا دیکھا۔ اس نے اپنے لباس پر مندرجہ ذیل الفاظ لکھ دیے تھے۔

''اپنے آپ کو کپڑوں سے محفوظ کرنے کے بعد مجھ پر سوار ہو جاؤ اور ندی کو پار کرو۔''

دکھ اور صدمے سے دوچار راجا نے شرمن کے منصوبے پر عمل کرنے کے لیے خود کو مجبور کیا۔ لاش سے خود کو

باندھ کر وہ ندی میں کود پڑا اور دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ تب اس نے فوراً اپنی فوج کے ساتھ نیپال پر دھاوا بول دیا اور وہاں کے حکمراں کو نیست و نابود کیا۔ چوں کہ اس کو پکڑنے والے اس کے فرار ہونے سے بے خبر تھے اس لیے جیاپیڈ نے سلطنت کو ماضی کی ایک کہانی میں تبدیل کر دیا۔

''راجا پر دیوتاؤں کی کرپا کا فضل ہے''! کشمیر کے عوام چلاّ اُٹھے۔ ''وہ بار بار موت سے کرشماتی انداز میں بچ جاتا ہے۔ درحقیقت وہ خوشیوں بھری زندگی جیتا ہے۔''

وہ فاتح راجا کے ہمراہ اس کے محل واپس آئے اور ہر دلعزیز حکمراں کی واپسی پر شہر میں خوب خوشیاں منائی جارہی تھیں۔

خوشیوں بھری زندگی والا راجا-II

جیاپدا اپنی نیپال اور مشرق میں کامیابیوں اور اپنی رعایا کی تعریفوں سے خوش ہو کر جلد ہی بہت مغرور ہو گیا۔

''میں ناقابلِ تسخیر ہوں''، اس نے خود سے کہا۔ ''کوئی ایسا حکمراں باقی نہیں ہے جو میری مخالفت کی جسارت کرتا ہو۔ میں کشمیر کے تمام حکمرانوں میں سب سے کامیاب حکمراں ہوں۔''

اس کے اس برتاؤ سے لوگوں پر کوئی فرق نہیں پڑا کیوں کہ ان کے پاس کھانے پینے کے لیے بہت سامان تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ان پر ایک مضبوط ہاتھ سے حکومت کی جا رہی تھی۔ جیاپدا اپنی سلطنت میں وقتاً فوقتاً گھومتا پھرتا اور لوگوں کی تعریفوں سے خوش ہو کر خوش حال ریاست کے کام کاج کے لیے اپنی تعریف کرتا۔

ایک رات راجا نے عجیب و غریب خواب دیکھا۔ اسے ایک دیوتا جیسی شکل صورت والے آدمی نے مخاطب کیا جو اس کے سامنے

ملتجیانہ ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔ ''ارے راجا، اس نے کہا ''میں ناگ راج کمار مہاپد ما ہوں اور آپ کی ریاست میں اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ رہتا ہوں۔ اب میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔ کچھ جادوگر مجھے یہاں سے لے جانا چاہتے ہیں اور ریگستانی علاقے میں پیسے کے لیے بیچنا چاہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ میرے پاس وہاں پانی لانے کی طاقت ہے۔ اگر آپ میری ان سے حفاظت کریں گے تو میں آپ کو ایک پہاڑ دکھاؤں گا جو آپ کی سرزمین میں کچّا سونا رکھتا ہے۔''

راجا اچانک جاگ اُٹھا اور جادوگر کی کھوج نکالنے کے لیے ہر طرف مخبروں کو فوراً روانہ کیا۔

''میں اس خواب کی حقیقت ضرور دریافت کروں گا''، اس نے سوچا۔ لمبی چھان بین کے بعد مخبروں نے جادوگر کو پایا اور راجا کے سامنے پیش کیا۔ ''اے مہاراج، مجھے سزا مت دو، آدمی گڑگڑایا۔ ''میں نے کچھ غلط نہیں کیا ہے۔''

''تم محفوظ ہو، جیاپدا نے جواب دیا۔'' لیکن مجھے بتاؤ کیا تم جھیل سے ناگوں کو نکال لے جانا چاہتے ہو؟'' جب اس نے ہاں میں سر ہلایا تو راجا نے پریشان آواز میں اپنی بات کو جاری رکھا۔ 'تم اس بڑی جھیل کی تہہ سے طاقت ور ناگ کو کیسے نکال سکتے ہو؟''

جادوگر نے کہا ''میں یہ جادو کی طاقت سے کروں گا۔ اے راجا، میرے ساتھ آیئے اور آپ اسے دیکھئے۔''

راجا جادوگر کی طاقت کو آزمانے کی خواہش میں اس کے ساتھ جھیل پر گیا۔ جھیل کا پانی بھاری اور طوفان خیز تھا تاہم جادوگر اعتماد سے آگے بڑھا اور کچھ بڑبڑایا۔

''تم کیا کہہ رہے ہو؟'' راجا نے پوچھا۔

''میں ہر سمت کو بند کرنے کی خاطر ایک جادوئی منتر پڑھ رہا ہوں''، جادوگر نے کہا۔ ''تب ناگ بھاگ نہیں سکتا ہے۔ میں جھیل کو سکھا دوں گا۔''

ایسا کہہ کر اس نے کچھ منتر پڑھے اور پانی میں بہت سے تیر چھوڑے۔ راجا کی توقع کے خلاف جھیل فوراً سوکھ

گئی اور کیچڑ میں انسان منہ والا ایک لمبا سانپ کئی چھوٹے چھوٹے سانپوں کے ساتھ تھا۔ راجا اس منظر پر متعجب ہوا۔ جادوگر نے کہا، ''میں ابھی اس ناگ کو لے جاؤں گا کیوں کہ وہ جادو کی طاقت سے چھوٹا ہو گیا ہے۔''

راجا نے اچانک اپنے خواب کو یاد کیا اور اس کے ہاتھ کو پکڑ لیا ''نہیں'' اس نے کہا، ''تم اسے قطعی نہیں لے جا سکتے ہو۔ اپنی جادوئی طاقت کو واپس لو اور جھیل میں دوبارہ پانی لاؤ۔''

غیر مطمئن جادوگر راجا کے حکم کا انکار کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ جلد ہی سانپ پھوٹتے ہوئے پانی کے نیچے نظروں سے اوجھل ہو گئے اور دوسرے لوگ محل واپس آ گئے۔ راجا نے جادوگر کو پیسہ کوڑی دے کر اسے دور بھیج دیا۔

''ناگ مجھے سونے کی کان کا پہاڑ کب دکھائے گا۔'' وہ بے صبری سے حیرت زدہ ہوا۔ ''کیا میں نے اس کی حفاظت ویسے نہیں کی ہے جیسا کہ وہ چاہتا تھا۔''

اس رات ناگ خواب میں راجا کے پاس آیا۔ اس کی آنکھیں غصّے میں چمکیں اور وہ تیزی سے بولا۔ ''اے راجا، تمھیں سونا پیدا کرنے والے پہاڑ کو کیوں دکھانا چاہیے؟۔ میں رسوائی کے خوف سے پناہ کی خاطر آپ کے پاس آیا تھا۔ آپ نے جادوگر کو مجھے اور میرے لوگوں کو اس بے رحم طریقے سے ننگا کرنے کی اجازت دی۔ اب میری عورتیں اور دوسری رعایا میرے متعلق کیا سوچیں گی جب میں انھیں رسوائی سے بچا نہیں سکا؟۔ بہر حال راجا ہمیشہ مغرور اور طاقت سے اندھے ہوتے ہیں۔ میں اور کیا امید کر سکتا ہوں؟ چوں کہ آپ نے جادوگر کو مجھے لے جانے نہیں دیا اس لیے میں آپ کو تانبے کی کان کا پہاڑ دکھا دوں گا۔''

تب اس نے راجا کو کچھ ہدائتیں دیں۔ اور جب راجا نیند سے اُٹھا تو محتاط طریقے سے ان پر عمل پیرا ہوا اور اس نے تانبے کی کان کے پہاڑ کو پا لیا۔ اس نے ناگ کی سرزنشوں سے اپنے ذہن کو پریشان نہیں کیا اور نہ ہی کسی طریقے سے خود کو موردِ الزام ٹھہرایا۔ اس کی لالچ کچے مادے کی تلاش میں نئی اونچائیوں تک پہنچ گئی تھی

تا کہ وہ اپنے نام سے کروڑوں سکّے جاری کر سکے۔ اور وہ چیز اس کے نزدیک کسی اور چیز کے مقابلے میں زیادہ اہم تھی۔

یہ ایسا مرحلہ تھا کہ سرکاری اہلکاروں نے آپس میں صلاح و مشورہ کیا ''یہ زیادہ وقت دور نہیں ہوگا کہ راجا دوسری مہم کے لیے تیار ہو جائے''، ایک نے کہا۔ ''اس کی حرص و لالچ دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہے۔ ہم سب اس سے تنگ آ گئے ہیں۔ اس طرح کے کسی اور منصوبے سے ہمیں اسے باز رکھنا چاہیے۔''

''ہاں، ہمیں انھیں امیر ہونے کے دوسرے راستے دکھانے چاہیے۔'' ان سب نے اتفاق کیا۔

ایک دن سرکاری اہلکار جیاپدا کے پاس گئے۔ ''فتح کی دشواریوں کو برداشت کرنے کا کیا فائدہ ہے؟'' انھوں نے کہا۔ ''امیری آپ کی خود کی زمین سے حاصل کی جاسکتی ہے یعنی کھیتی سے، جائداد سے، لوگوں سے۔''

''راجا جو کبھی دیوتا جیسا تھا اب راکشس ہو چکا ہے''، لوگوں نے شکایت کی۔ ''وہ فصل اپنے لیے رکھتا ہے۔ بدعنوان سرکاری افسروں کی طرف داری کرتا ہے، اور اس کا محض ایک مقصد ہے ہم لوگوں کو پریشان کرنا ہے۔''

ہم اس کے شکنجے میں پھنس گئے ہیں۔ ہمیں کون نجات دلائے گا؟''

ایک دن ناراض برہمنوں کا ایک گروہ راجا کے دربار میں گیا۔ ''ہمیں آپ کے دربانوں نے ذلیل کیا ہے۔'' انھوں نے کہا۔ ''آپ اپنی رعایا کی محض لفظی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر آپ ہمیں اس طرح سے ذلیل کریں گے تو ہم ایک لمحے میں آپ کو نیست و نابود کر دیں گے۔ جیاپدا نے غصے میں بھنویں چڑھائی، ''اے براہمنوں تم بھکاریوں کے ٹکڑوں پر پلتے ہو، اگلے زمانے کے رشیوں کی طرح اپنی طاقت کے بارے میں تکبرانہ بات کرتے ہو؟'' اس نے کہا۔

ان میں سے کچھ راجا کے اس طرح اظہارِ ناراضگی پر خاموش ہو گئے لیکن ایک براہمن اتلاّ آگے بڑھا۔ ''اے راجا، ہم کسی طرح سے رشی نہیں ہیں'' اس نے احتیاط سے کہنا شروع کیا۔

''تب تم کون ہو؟'' راجا نے مذاق اُڑایا۔

اتلاّ کی آنکھیں غصے سے لال ہو گئیں۔ ''خبردار'' اس نے کہا، 'اے راجا، میں وشوامتر کی طرح خطرناک ہو سکتا ہوں۔''

راجا ہنسا ''کیا ایسا ہے!'' تب تمھارے غصے کی وجہ سے کیا ہونے والا ہے۔''

اتلاّ نے غصے میں زمین پر پیر مارا۔ ''میرے غصے کی وجہ سے آپ پر ایک ڈنڈا کیوں نہیں گرنا چاہیے؟'' وہ چیخا۔

راجا دوبارہ ہنسا۔ ''تب اسے گرنے دو!'' وہ زور سے چلّایا۔ ''وہ ایک لمحے کے لیے بھی کیوں دیر کرتا ہے؟''

''ٹھیک، یقیناً وہ یہاں گرے گا، بدمعاش!'' اتلاّ چیخا۔ تب چرچرانے کی آواز آئی اور راجا کے اوپر شامیانے سے سونے کا ایک پایہ ٹوٹ گیا اور راجا کے اعضاء پر آلگا۔

جیا پدا پتھر کر دینے والے درد سے چلاّ اُٹھا۔ اطباء زخموں کا معائنہ کرنے کے لیے دوڑے۔

جیسے جیسے دن گزرتے گئے، زخم پُر نہیں ہوا بلکہ پورے جسم میں بیماری کے جراثیم پھیل گئے۔ آخر کار جب وہ دُکھ درد میں مرا تو لوگوں نے غم میں اپنے سروں کو ہلایا۔ ''افسوس!'' وہ عظیم حکمراں اپنے تکبّر کی وجہ سے اس گھنونی طرح سے اپنے خاتمے کو پہنچا۔

وہ راجا جس نے اب تک خوشیوں بھری زندگی گزاری تھی، ایک زخم کی وجہ سے مر گیا جو محض چھڑی کی چوٹ سے ہوا تھا۔

کشمیر سے سیلاب کا خاتمہ

کسی زمانے میں سوّیا نام کی ایک نیچ ذات کی ایک عورت ہوا کرتی تھی جو کشمیر کے راجا کے محل کے قریب رہتی تھی۔ وہ محل کے قریب سڑکوں پر جھاڑو لگا کر اپنی روزی روٹی کماتی اور اپنے کام پر فخر محسوس کرتی تھی۔ ایک دن جب وہ گلی میں پڑے ہوئے مٹی کے ڈھیر کی صفائی کر رہی تھی تو اس نے مٹی کے چمکتے ہوئے ایک برتن کو دیکھا۔

''یہ ڈھکا ہوا ہے''، وہ ڈھکن کو انگلیوں سے چھوتے ہوئے بڑ بڑائی۔ ''میں جاننا چاہتی ہوں کہ اس برتن کے اندر کیا ہے''۔ اس نے سڑک کے اوپر آگے اور پیچھے دیکھا لیکن کوئی دکھائی نہیں دیا۔ ''شاید اس میں رقم ہو، اس نے سوچا۔ اس کے اندر دیکھنے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ آخر کسی نے مٹی کے برتن کو پھینک دیا ہے۔

اس طرح اپنے وسوسے پر قابو پا کر اس نے ڈھکن کو اٹھایا اور اس کے اندر جھانکا۔ خلاف توقع نوزائیدہ بچے نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور خوبصورت تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بچہ اپنی عجیب وغریب صورت حال سے کسی طرح پریشان نہیں تھا۔

''اس پیارے بچے کو کس نے چھوڑ دیا ہے؟'' سویا غصے میں بڑبڑائی۔ ''اگر میں اسے نہ پاتی تو بچہ برتن کے اندر مر سکتا تھا''، اس کے دل میں رحم بھر آیا۔ ''میں اس بچے کو یہاں نہیں چھوڑ سکتی ہوں''، اس نے کہا۔ ''میں اسے اپنے ساتھ واپس لے جاؤں گی۔'' اس نے برتن کو اٹھایا اور احتیاط سے اسے ایک نرس کے گھر لے گئی جسے وہ جانتی تھی۔

اپنی دوست کو قیمتی بوجھ دکھاتے ہوئے اس نے کہا ''میں نے اسے سڑک کے کنارے پڑا ہوا پایا ہے۔ اس بچے کی تمھیں پرورش کرنی چاہیے اور اسے جوان ہونے تک پالنا ہوگا۔

''سویا، تم نے اسے پایا ہے،'' نرس نے مداخلت کی۔ ''تمھیں ہی اُسے پال پوس کر بڑا کرنا چاہیے۔'' اسے میرے پاس کیوں لائی ہو؟

''کیوں کہ تم میرے مقابلے میں اونچی ذات سے ہو'' سویا نے کہا۔ ''میں محض ایک 'چنڈالا' ہوں جسے کوئی بھی ناپاک ہونے کے ڈر سے نہیں چھوئے گا۔ میں اس بچے کے مستقبل کو برباد نہیں کرنا چاہتی ہوں۔ حالاں کہ میرا دل ایسا کرنا چاہتا ہے لیکن میں اسے چھو نہیں سکتی ہوں۔ تمھیں ایک ایسی ہو جس پر میں بھروسہ کر سکتی ہوں تم اسے پال پوس کر بڑا کرو گی۔ کیا تم میرے لیے یہ کرو گی؟''

نرس نے ہاں میں سر ہلایا اور بچے کو برتن میں سے اُٹھالیا۔ ''میں ویسا ہی کروں گی جیسا تم کہتی ہو''، اس نے کہا۔ ''لیکن تم ہمیشہ اس کی سچی ماں رہو گی اور ایسا ہی اسے بتاؤ گی۔''

سویا مسکرائی اور اچانک اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ ''تمھارے نام پر اسے سویا پکاریں گے''، نرس نے تجویز رکھی۔ ''یہ اس کے لیے ایک مناسب نام ہے۔''

اس طرح چھوٹا سویا نرس کے گھر میں بڑا ہوا۔ سویا اکثر و بیشتر اسے دیکھنے کے لیے آجاتی اور ہر طریقے سے اس کی ضروریات بہم پہنچاتی۔ حالاں کہ وہ اس سے خاصہ فاصلہ قائم رکھنے میں محتاط رہتی۔

''ماں، میں تمھیں گلے کیوں نہیں لگا سکتا ہوں؟'' سوّیا بار بار پوچھتا جب وہ استدلال کرنے کی عمر کو پہونچ گیا تھا۔

''یہ اسی طریقے سے ہی ہونا چاہیے''، سویا نے کہا۔ میرے پیارے بچے تمھیں ہمیشہ میرا کہنا ماننا چاہیے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا یہ بات دونوں عورتوں کو صاف ہوگئی کہ سوّیا بہت ہی عقل مند ہے۔ وہ اپنے ہم عمر لڑکوں سے عقل اور استدلال میں آگے تھا۔

''وہ کیا خزانہ ہونے والا ہے!'' نرس نے سویا سے کہا۔ اس کو سب لوگ محبت اور عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کی قسمت میں عظیم ہونا لکھا ہے۔

''تم سچ کہتی ہو''، سویا مسکرائی۔ ''وہ اس ملک کے لیے بڑا کام کرے گا۔''

اس قسم کی عقل مندی کبھی بے کار نہیں جاسکتی ہے۔''

جب سویا اپنی روزی کمانے کے لائق بڑا ہوا تو وہ ایک رئیس آدمی کے گھر چھوٹے بچوں کا استاد ہوگیا۔ اس پر بھی اس نے عقل مند لوگوں کی صحبت کو برقرار رکھا اور بحث ومباحثہ میں اس طرح کی ذہانت کا مظاہرہ کرتا کہ تمام ہوش مند لوگ اسے مصاحب بنانے کی خواہش کرتے۔

ایک دن سویا اور اس کے دوست ان سیلابوں کے بارے میں بحث ومباحثہ کررہے تھے جو کشمیر کی زمین کو مستقل طور پر برباد کررہے تھے۔ ''مہاپدما جھیل کا پانی بار بار کھینچ لیا جاتا ہے۔'' اس کے ساتھیوں میں سے ایک نے افسوس ظاہر کیا۔ ''تاہم اس میں مسلسل سیلاب آتا ہے۔ وتستا ندی جو اس جھیل سے نکلتی ہے، طوفان خیز ہے اور اپنے کنارے کے سبھی گاؤں کو زیر آب کردیتی ہے۔ اس کے متعلق کیا کیا جاسکتا ہے؟

اس کے راستے میں بہت ساری رکاوٹیں اور رخنے ہیں کہ وہ اپنے کناروں سے اوپر بہنے کے لیے مجبور ہے۔''

''یہ سچ ہے''، دوسرے ساتھی نے اتفاق کیا۔ ''راجا آونتی ورمن کی عقل اس معاملے میں کام نہیں کرتی ہے۔ یہ مسئلہ ہر ایک حکمراں اور عوام کو پریشان کرتا ہے۔ اس بابت کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔''

''میں نے اسے روکنے کا علم حاصل کیا ہے''، سوّیا نے کہا۔ ''میں مہاپدما اور وتستا کے پانی کو قابو کر سکتا ہوں، لیکن بغیر ذرائع کے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا ہوں۔''

دوسرے تعجب سے چلّائے ''تمہارا کیا مطلب ہے؟ وہ چیخے۔ ''سوّیا، تم یقیناً مذاق کرتے ہو!''

''نہیں''، سوّیا نے کہا۔ ''میں سنجیدہ ہوں۔''

دوسروں نے سوّیا کو پاگل سوچ کر گفتگو کو بدل دیا۔ اس کے بعد جب کبھی بھی یہ موضوع اٹھایا گیا، سوّیا کا وہی دوٹوک جواب تھا۔

آخر کار سویاّ کے الفاظ راجا کے کانوں تک پہنچے۔ ''اسے دربار میں بلاؤ''، راجا نے حکم دیا۔ ''میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے الفاظ کے کیا مطالب رکھتا ہے۔''

اس کے مطابق سویّا کو راجا کے سامنے لایا گیا۔ ''تم یہ جاننے کا دعویٰ کرتے ہو کہ ندیوں کے سیلاب کو کیسے روکا جا سکتا ہے''، آونتی ورومن نے کہا۔

''ہاں، مہاراج، ایسا ہی ہے۔'' سوّیا نے دلیری سے جواب دیا۔ ''مجھے اس کے لیے ذرائع کی ضرورت ہے۔''

اس کے ذہین چہرے نے راجا کے اندر اعتماد پیدا کیا۔ ''تب اسے ثابت کرو''، آونتی ورمن نے کہا۔ ''میں اپنا خزانہ تمھارے اختیار پر رکھتا ہوں۔ جو کچھ اس کام کے لیے چاہئے ہو، لے لو۔''

''مہاراج، وہ پاگل ہے!'' جب سوّیا جا چکا تھا تو وزیروں نے کہا۔ ''آپ کیسے اس پر یقین کر سکتے ہیں کہ جیسا وہ کہتا ہے، ویسا کرے گا؟ بے شمار عامل اس کام میں ناکام ہو چکے ہیں۔''

''ہمیں انتظار کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے''، راجا نے کہا۔

اس دوران سوّیا نے شاہی خزانے سے سکّوں سے بھرے ہوئے کئی برتن لیے اور ایک ناؤ کو کرائے پر لے کر مدھاوا راج کی طرف چل پڑا۔ جس کے قریب بہت سے گاؤں سیلاب کے پانی سے ڈوب گئے تھے۔ جب وہ نند گاؤں کے قریب پہنچا تو اس نے ملاح کو روکنے کا حکم دیا۔ جو اس کے ساتھ تھے، حیرت زدہ ہوئے

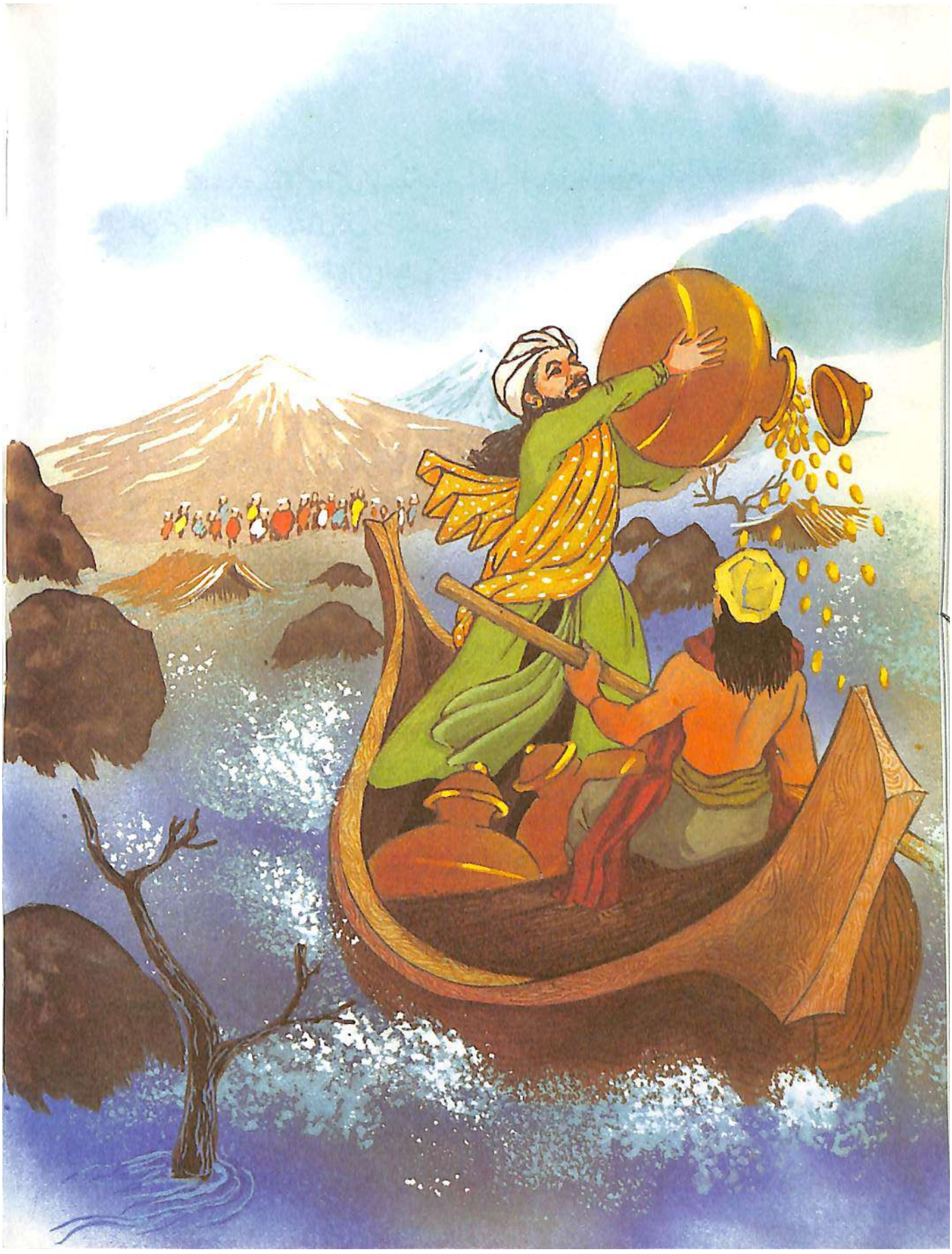

جب اس نے سکّوں کے سارے برتنوں کو پانی میں خالی کر دیا۔ حیرت زدہ گاؤں والے سکوں کی تلاش میں فوراً پانی میں کود پڑے۔

''وہ پاگل ہے''، ناراض مشیروں نے پھسپھسایا۔ اس نے راجا کے پیسوں کو برباد کیا ہے۔ یہ بربادی ضرور روکنی چاہیے۔''

انھوں نے اپنی واپسی پر سوّیا کی غلطی کے بارے میں راجا کو فوراً مطلع کیا۔ لیکن راجا کی دلچسپی سوّیا میں اور بڑھ گئی جس سے انھیں جھنجھلاہٹ ہوئی۔

''وہ اس میں ضرور کوئی مقصد رکھتا ہوگا''، آونتی ورمن نے اعلان کیا۔ ''اس کو پرکھنے میں اتنی جلدی مت کرو۔''

اس دوران سوّیا کرم راجیہ کے علاقہ میں پہنچ چکا تھا۔ ایک ڈوبے ہوئے گاؤں کے سامنے اس نے بھرپور مٹھی کے سکّے پانی میں پھینک دیے۔ ''تمھیں اس کے لیے سزا دی جائے گی''، ایک بپھرا ہوا وزیر چلّایا۔ ''کیا تم اپنے ہوش وحواس کھو چکے ہو؟ تم راجا کو برباد کر دو گے۔''

سوّیا نے گاؤں والوں کے ردِّعمل میں کھوکر ان کے احتجاج پر دھیان نہیں دیا۔ سیلاب اور قحط سے مارے ہوئے وہ گاؤں والے جنھوں نے سوّیا کے اس عمل کو دیکھا، سکّے کی تلاش میں بڑھے ہوئے پانی میں ڈبکی لگائی، جیسا کہ نندنا پر کیا تھا۔ اپنے پختہ ارادے اور مایوسی کے عالم میں انھوں نے پانی سے سب ہی چٹانوں کو باہر نکال ڈالا۔

''وہ وستاندی کی تلہٹی کو صاف کر رہے تھے، سوّیا نے اطمینان سے سوچا۔ ''یہ ٹھیک وہی کر رہے ہیں جو میں چاہتا تھا!''

جب تلہٹی کو صاف کرنے کا کام دو دنوں تک جاری رہا تو اس نے کام کرنے والوں کو ندی کے طے شدہ مقام پر ایک پتھر کا بند بنانے کا حکم دیا۔ اب ندی کا پھیرا ہوا پانی بنا کسی رکاوٹ کے سمندر میں بہہ جاتا۔ طوفان خیز مہاپدما جھیل کا پانی بند بنا کر روک دیا گیا۔ ڈوبے ہوئے گاؤں گھرے ہوئے پانی سے اوپر آ گئے اور لوگ اس پر خوشیاں منانے لگے۔

ان تمام کاموں کو انجام دے کر سویا راجا کے سامنے گیا ''جیسا میں نے وعدہ کیا تھا، ویسا کر چکا ہوں''، اس نے کہا۔ ''میری تربیت پا کر اب وستاندی، مہاپدما جھیل سے اس طرح اپنے سیدھے راستے پر چلے گی جیسے کمان سے تیر۔ پانی میں پیسوں کو پھینک کر کے میں نے گاؤں والوں سے ندی کی تلہٹی کی چٹانوں اور دوسری رکاوٹوں کو صاف کروایا۔ اب ندی میں زیادہ رکاوٹیں نہیں ہیں جن کی وجہ سے پہلے کناروں پر سیلاب آجاتا تھا۔''

آونتی ورمن خوشی سے اپنے تخت سے اُٹھا ''سویا، تم مہان ہو!'' اس نے کہا ''میں تمھیں وہ سب دھن اور عزت دوں گا جس کے تم لائق ہو۔''

جلد ہی سوّیا نے راجا کی اجازت سے اپنے نام سوّیاپورا کا ایک قصبہ آباد کیا جو آج بھی ہے۔ تب وہ راجا کے سامنے گیا۔ ''اے مہاراج، میں ایک گاؤں آباد کرنا چاہتا ہوں جو سویا کنڈلا کے نام سے پکارا جائے اور ایک بند جو سوّیا ستیو کہلائے۔'' اس نے کہا۔ ''ایسا کیوں؟'' راجا مسکرایا۔ ''تم کنھیں عزت بخش رہے ہو؟'' ''اس عورت کو جو مجھے زندہ رہنے کے لیے بے حد پیار کرتی ہے''، سویا نے جواب دیا۔ ''میری ماں، سویا۔''

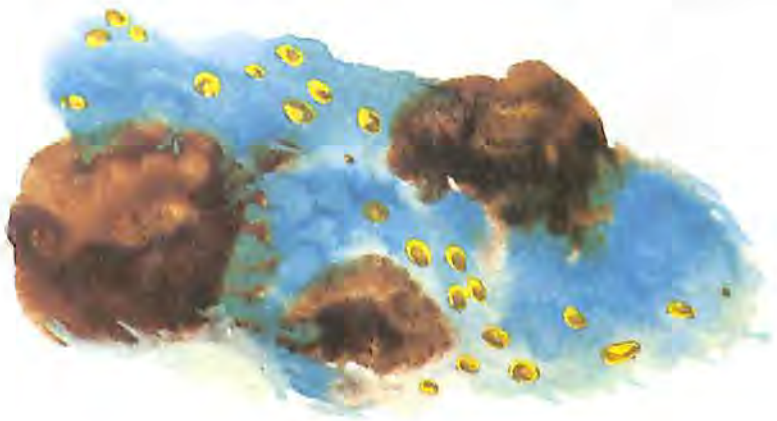

ظالم دادی

کشمیر کی سرزمین راجا کشیم گپت کی موت پر ماتم کر رہی تھی۔ جیسے ہی اس کی رانیاں چتا کے چاروں طرف اکٹھا ہوئیں ان میں سے ایک ہچکچائی۔ وزیر نراوا ہن آگے بڑھا۔ ''اے رانی، میں جانتا ہوں کہ آپ کے ذہن میں کیا ہے''، اس نے کہا۔ ''آپ کا بیٹا ابھی منیو محض ایک بچہ ہے۔ اسے طاقت حاصل کرنے والوں کے رحم و کرم پر مت چھوڑو۔''

رانی دڈّا نے اپنے وزن کو مفلوج پاؤں سے دوسرے پاؤں پر کرتے ہوئے آنکھیں چڑھائیں۔ ''تب میں اپنے بیٹے کی سرپرست بن جاؤں گی''، اس نے کہا۔ ''میں دوسروں کی طرح خود کو نذر آتش نہیں کروں گی۔''

لہٰذا ابھی منیو کشمیر کا راجا ہوا اور رانی دڈّا اس کی سرپرست۔ اس رات اس نے اپنے بیٹے کو پیار سے دیکھا۔ ''اس طرح کی کچی عمر اور اس پر تم نے تاج پہنا ہے''، وہ بڑبڑائی۔

''ایک دن میں بڑا ہو جاؤں گا اور دوسرے راجوں کی طرح جنگ چھیڑوں گا''، ابھی منیو نے فخر سے کہا۔

''ہاں، میرے بچّے اور اس وقت تک میں تمھاری دیکھ بھال

کروں گی۔ تمھیں کسی چیز یا کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اسی دوران کشیم گپت کے دونوں بھتیجے مہیمن اور پتالا محل میں سازش رچ رہے تھے۔ ''ہم اپنی آنکھیں لمبے عرصے سے تخت پر جمائے ہوئے تھے''، پتالا نے کہا۔ ''یہی وقت ہے کہ ہم اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنائیں۔''

''تصور کرو کہ ایک عورت اور ایک بچہ برسر اقتدار ہو۔ ہم ضرور فتح یاب ہوں گے''، مہیمن نے اتفاق کیا۔ ''تم اور میں اس ملک پر حکومت کریں گے۔''

دونوں بھائیوں نے باغیوں کی ایک فوج تیار کرنے میں کوئی وقت نہیں کھویا۔ کچھ دنوں بعد جب دڈا اور ابھی منیو پدماسوامن مندر میں تھے تو انھوں نے گھوڑوں کی ٹاپوں اور آگے بڑھتے ہوئے قدموں کی آواز سنی۔

''جلدی کرو نراواہن، دڈا نے اپنے وفادار وزیر کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ ''مشکلیں جاری ہیں۔ ابھی منیو کو شرامٹھ لے جاؤ۔ یہ وہاں محفوظ رہے گا۔''

رانی اور اس کے محافظ دستے نے جلد ہی پسپائی مان لی۔ اس دوران باہر آوازیں گرجنے کی مانند تیز ہو گئیں اور دشمنوں کے ہتھیار سورج کی روشنی میں چمک اُٹھے۔ ''میری مخالفت کون کرتا ہے؟'' دڈا نے اپنے وزیروں سے پوچھا۔

''اے رانی، مہیمن، پتالا اور براہمنوں کی ایک جماعت'' انھوں نے کہا۔ ''براہمنوں کو میرے پاس لاؤ'' اس نے حکم دیا۔ نمائندے اس حکم کی تعمیل کے لیے دوڑے اور جلد ہی اس کا مغموم چہرے لوگوں کے ایک مخالف گروہ سے سامنا ہوا۔ ''کیا تم مجھ سے ناراض ہو یا اپنی غریبی سے؟'' اس نے پوچھا۔ جب وہ خاموش رہے تو وہ بولتی رہی، ''میں تمھیں تمھارے خواب و خیال سے زیادہ سونا دوں گی۔ جس کے بدلے میں تمھیں اپنی مخالفت ختم کرنی ہوگی۔''

لالچی براہمن آسانی سے خرید لیے گئے اور دشمن تتر بتر ہو گئے۔ مہیمن اسی روز مرا ہوا پایا گیا۔

''رانی اسے قتل کر چکی ہے''، کچھ لوگوں نے کہا۔ ''کسی نے اسے اس قابل نہیں سمجھا تھا تاہم اس نے جلد ہی اپنے دشمنوں کے سمندر پر اس آسانی سے قابو پالیا جیسے ہنومان نے سمندر کو پار کیا تھا۔ پناہ گاہ سے واپسی پر

ابھی منیو نے اپنی ماں سے سوال کیا ''کیا ایسا پھر ہوگا؟۔''

''نہیں''، رانی مسکرائی۔ ''تم اور میں اس سلطنت کے غیر مشتبہ حکمراں ہیں۔''

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ابھی منیو بڑا ہوتا گیا۔ وہ اپنی تعلیم میں کھویا ہوا تھا اور اس نے دربار کی سازشوں کی بابت اپنے دماغ کو پریشان نہیں کیا۔ 'میری ماں میرے لیے اچھی ہے، اس نے سوچا۔' وہ میری بھلائی کے لیے دن رات پریشان رہتی ہے۔'

کچھ برسوں بعد ابھی منیو کی شادی ہوگئی۔ جلد ہی وفادار نراواہن نے خود کو مار لیا۔ یہ ابھی منیو کے لیے ایک صدمہ تھا کیوں کہ نراواہن اس کے لیے ایک باپ کی حیثیت رکھتا تھا۔

''اب میں بہت بے بس محسوس کرتا ہوں''، اس نے اپنی بیوی سے کہا۔ ابھی منیو کی بیوی ہچکچائی۔ وہ اپنے شوہر کے مقابلے میں دربار کے حادثات سے زیادہ واقف تھی۔ ''میرے سوامی، مجھے اس سیدھے انداز میں بات کرنے کے لیے معاف کریں''، اس نے بالآخر کہا۔ ''لیکن بہت لوگ کہتے ہیں کہ نراواہن نے خود کو اس لیے مار لیا کیوں کہ وہ رانی ماں کے ظلم کو برداشت نہ کر سکا۔''

''یہ تم کیا کہتی ہو؟'' ابھی منیو چیخا۔ ''میں نہیں سمجھتا ہوں۔''

''میرے سوامی، آپ جانتے ہیں کہ آپ کی ماں آپ کی بھلائی کے لیے پریشان ہیں۔ اس لیے انھوں نے ان تمام لوگوں کو قتل کیا ہے اور برباد کیا ہے جو آپ کے لیے خطرہ پیدا کرتے ہیں۔ یہی وحشیانہ قتل ہیں جس نے نراواہن کو پریشان کر دیا تھا۔''

بہت زیادہ صدمے سے دوچار ہو کر ابھی منیو کا اپنی ماں سے بولا۔ ''کیا یہ سچ ہے کہ آپ لوگوں کو قتل کر رہی ہیں؟'' اس نے پوچھا۔ ''آپ ایسا کیوں کرتی ہیں جب کہ کوئی کھلی ہوئی دھمکی بھی نہیں ہے۔'' ''اگر کوئی دھمکی نہیں ہے تو صرف میری وجہ سے نہیں ہے''، دڑا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ''میرے پیارے بچے، ریاست کے معاملات سے خود کو پریشان مت کرو۔ میں، نہ کہ تم، اُن سے نپٹنے کے لیے اکیلی کافی ہوں۔''

ابھی منیو اپنی ماں کی آنکھوں میں بے رحم چمک سے حیرت زدہ تھا۔ وہ گھبرایا اور صدمہ زدہ ہو کر چلا گیا۔ وہ

بہت دنوں سے اس وقت تک سوچتا اور پریشان ہوتا رہا جب تک کہ بیمار نہیں پڑ گیا۔ اس کے لیے ڈاکٹر بھیجے گئے لیکن یہ بالکل صاف تھا کہ جوان راجا اپنے جینے کی خواہش کو کھو چکا ہے۔

''میرے پیارے بیٹے''، ددا نے اپنے جان بلب بیٹے کی بخار سے تپتی ہوئی بھوؤں کو سہلاتے ہوئے آہستہ سے کہا ''میں اور کیسے تمھاری حفاظت کر سکتی ہوں؟'' جو کچھ میں نے کیا وہ تمھارے تئیں میرا پیار تھا۔''

ابھی منیو جلد ہی مر گیا اور جب ددّا نے اس کی لاش کو دیکھا تو سب کچھ اس کے اندر ٹوٹ گیا۔ ایک بپھرے ہوئے سمندر کی طرح دُکھ درد اس کے دل میں جمع ہو گئے۔ ''وہ اپنے ساتھ میرے جسم کا ایک حصہ لے گیا ہے''، اس نے سوچا۔ ''میں اور زیادہ وقت بیٹے کی محبت میں ضائع نہیں کروں گی۔''

ابھی منیو کے بیٹے نندی گپت کی نئے راجا کی حیثیت سے تاج پوشی کی گئی۔ ''لیکن وہ بھی بچہ ہے۔ ددا نے اپنے وزیروں کو بتایا۔ ''میں راجا کی قائم مقام سرپرست برقرار رہوں گی۔'' ان سرداروں نے جو دربار میں جمع تھے، اپنے سروں کو جھکایا۔ ایک دفعہ انھوں نے ددا سے عورت ذات ہونے کی بنا پر نفرت کی تھی لیکن اس نے انھیں دکھا دیا تھا کہ وہ کتنی مضبوط اور بے رحم ہو سکتی ہے۔ کوئی بھی اب اس کی مخالفت کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔

کچھ دنوں تک ددا نے خود کو اپنے بیٹے اور کشیم گپت کے نام سے مندروں اور سرایوں کی تعمیر میں مصروف رکھا۔

تب ایک دن نندی گپت بیمار پڑا اور مر گیا۔ سرکاری اہلکاروں نے آپس میں اس اچانک موت پر بحث کی۔ ''کیا ہو سکتا تھا''، ایک چیخ اُٹھا۔ ''وہ اب تک اچھی صحت میں تھا۔''

''شاہی طبیب بھی پریشان ہے''، دوسرے نے کہا۔ تب وہ ہچکچایا۔ ''کیا رانی ماں کا اس میں ہاتھ ہو سکتا ہے؟'' کل جادوگران کے ساتھ تھا۔

وہ خاموش ہو گئے۔ ہر ایک وحشت ناک سچائی پر شبہہ کر رہا تھا۔ ددا کے دوسرے پوتے تری بھون کو تخت شاہی پر بٹھایا گیا۔ جب راجا اپنے بچکانے کھیل کھیلتا تو اس دوران ددا اپنا وقت سلطنت کے امور کا جائزہ لینے میں صرف کرتی۔

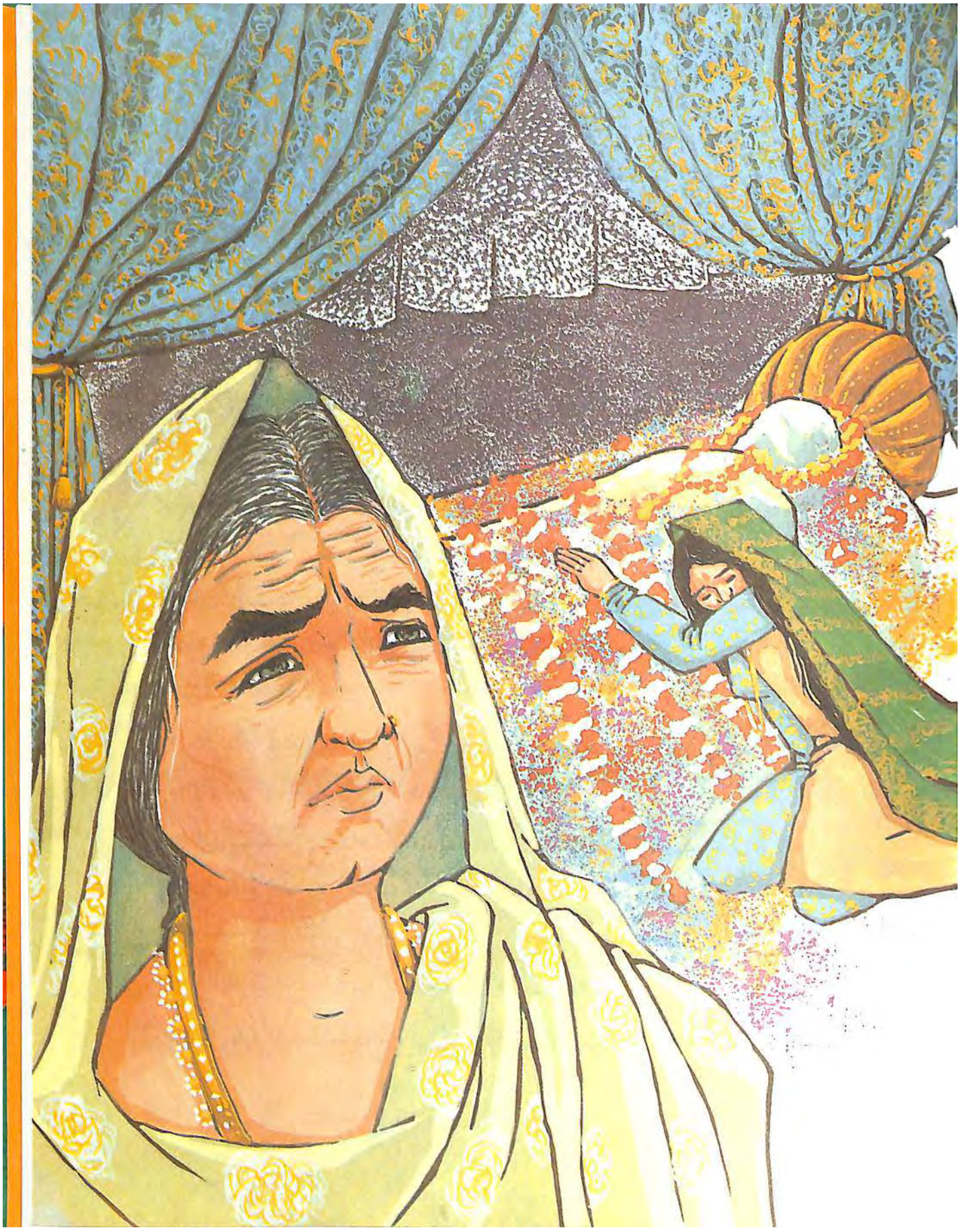

''اسے اپنے پوتے سے کوئی لگاؤ نہیں ہے''، محل کے ایک محافظ نے رائے زنی کی۔ ''وہ اس کی موجودگی کو نظر انداز کرتی ہے۔ کیا وہ اپنے عزیز و اقارب کو پیار نہیں کرے گی؟''

''وہ اپنے باپ کو پیار کرتی تھی''، دوسرے نے کہا۔ ''اس کی موت نے اسے بہت تلخ بنا دیا ہے۔''

دو برس کے خاتمے پر تری بھون نے ویسی ہی قسمت جھیلی جیسا کہ نندی گپت نے جھیلی تھا۔ اس وقت وزیروں نے کھلے طریقے سے ددا کی شمولیت پر شبہہ کیا۔ لیکن اس سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اس کے آخری پوتے بھیم گپت کو نیا راجا بنایا گیا۔

''افسوس! راجا کی ماں دن رات روتی ہے''، اس کی نوکرانی نے رائے زنی کی۔ ''اس کے دونوں بیٹے مر چکے ہیں اور اب تیسرے کو بھی موت کے راستے پر ڈال دیا گیا ہے جس کا نام ''تخت شاہی'' ہے۔ وہ مجبور ہے۔ وہ کیا کر سکتی ہے؟''

جب تین برس گزر گئے اور بھیم گپت تخت پر براجمان رہا تو لوگوں نے سکون کی سانس لی۔ ''شاید رانی اپنے بُرے راستوں پر پچھتا رہی ہے''، انھوں نے کہا۔ ''جیسے جیسے وہ بوڑھی ہوتی جا رہی ہے ویسے ویسے وہ خدا کی طرف رجوع ہو رہی ہے۔''

دوسرے لوگ بھی تھے جو اس سے اتفاق نہیں رکھتے تھے۔ ''رانی اب اپنی فطرت کو بدل نہیں سکتی ہے''، انھوں نے زور دیا۔ ''یہ راجا کے لیے محض ایک مہلت ہے۔''

اس دوران جیسے جیسے بھیم گپت بڑا ہوتا گیا وہ دربار کے واقعات اور سلطنت کے امور سے واقف ہوتا گیا۔ ایک دن اس نے اتفاق سے دو وزیروں کے مابین گفتگو کو سنا۔ ''اس نے شہر کے محافظ بھویا کو زہر دے دیا ہے''، ایک نے کہا۔ ''یہ کتنے شرم کی بات ہے!''

''بھویا، رانی ددا کے الطاف و کرم سے کیسے بے نیاز ہو گیا؟ دوسرے نے پوچھا۔

''چوں کہ تم کچھ وقتوں کے لیے باہر تھے اس لیے یہ تم نہیں جانتے ہو۔ رانی نے دربار میں ایک بے کار

ڈاکیہ تنگا کی کھلے طور پر طرف داری کی تھی۔ بھویا نے اس پر اعتراض کیا۔ اس لیے رانی نے اسے خاموش کر دیا ہے۔''

بھیم گپت خوف سے پیچھے ہٹا۔ تب وہ اپنی دادی ماں کے کمرے میں گیا۔ ''یہ میں کیا سنتا ہوں؟'' اس نے اچانک بولنا شروع کیا۔ ''آپ نیچ لوگوں کو اونچے عہدوں پر پہنچا رہی ہیں۔ اس سے سلطنت کا بھلا نہیں ہوگا۔''

دڈا اسے کچھ لمحوں تک بغیر کسی تاثر پیدا کرنے والے چہرے سے دیکھتی رہی۔ ''تو اب تم کو عقل آ رہی ہے''، اس نے بالآخر کہا۔ ''اور تم میرے طریقوں کو چنوتی دینا چاہتے ہو؟''

''وہ کہتے ہیں کہ آپ نے بھویا کو زہر دے دیا''، بھیم گپت نے غیر محتاط انداز میں کہا۔ ''تو میرے بھائیوں کی اموات کی وہ افواہیں سچ تھیں! آپ اپنوں کے خلاف کیسے جا سکتی ہیں؟''

''خاموش!'' دڈا نے اپنے پیروں کو آہستہ سے اُٹھاتے ہوئے کہا۔ اس کی مٹھیاں غصے سے بھنچ گئیں تھیں۔ نیم تاریک کمرے میں اس کا چہرہ ڈراؤنا دکھائی دے رہا تھا۔ بھیم گپت نادانستہ طور پر پیچھے ہٹا اور ایک منتظر محافظ کے بازوؤں میں جا گرا۔ ''میں نے بہت لمبے عرصے تک انتظار کیا ہے۔'' دادی ماں نے کہا۔ ''اسے قید خانہ میں ڈال دو۔''

دوسرے دن شہر نئی صورتِ حال کی خبر سے گونج اُٹھا۔ ''اب کوئی شک وشبہ نہیں ہے''، لوگوں نے کہا۔ ''اس نے اپنے دوسرے پوتوں کا خون کیا ہے اور یہ بھی ایک قتل جیسا ہی ہے۔''

بھیم گپت کو جیل میں اذیتیں دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ جب اسے دربار میں خبر ملی، تو دڈا نے دوسروں کا سامنا کیا۔

''اب میں تمھاری حکمراں ہوں گی''، اس نے زور دے کر کہا۔ ''کوئی بھی میرے خاندان میں اقتدار سنبھالنے کے لیے باقی نہیں بچا ہے۔''

اس طرح دڈا کشمیر کے تخت پر بیٹھی۔ لوگوں کے خلاف توقع وہ ایک قابل اور لائق حکمراں ثابت ہوئی۔ ستم

ظریفی سے اس ستم شعار دادی کا دور حکومت سلطنت کے پر امن ادوار میں سے ایک ہے۔ جب وہ بہت برسوں کے بعد مری تو اس کی خواہش کے مطابق اس کا بھتیجا اگلا راجا ہوا۔

''کہا جاتا ہے کہ رانی ددا کے چہرے پر موت کے وقت مسکراہٹ تھی''، ایک دیکھنے والے درباری نے کہا۔

''یہ عجیب وغریب بات نہیں ہے''، دوسرے نے جواب دیا۔ ''وہ مسکراتی ہے کیوں کہ آخر کار اس کی مصالحت اپنے بیٹے ابھی منیو سے ہوگئی ہے۔''

راہِ فرار

یہ کشمیر میں نفرت زدہ راجا کے گدّی سے ہٹائے جانے پر خوشیاں منانے کا وقت تھا۔

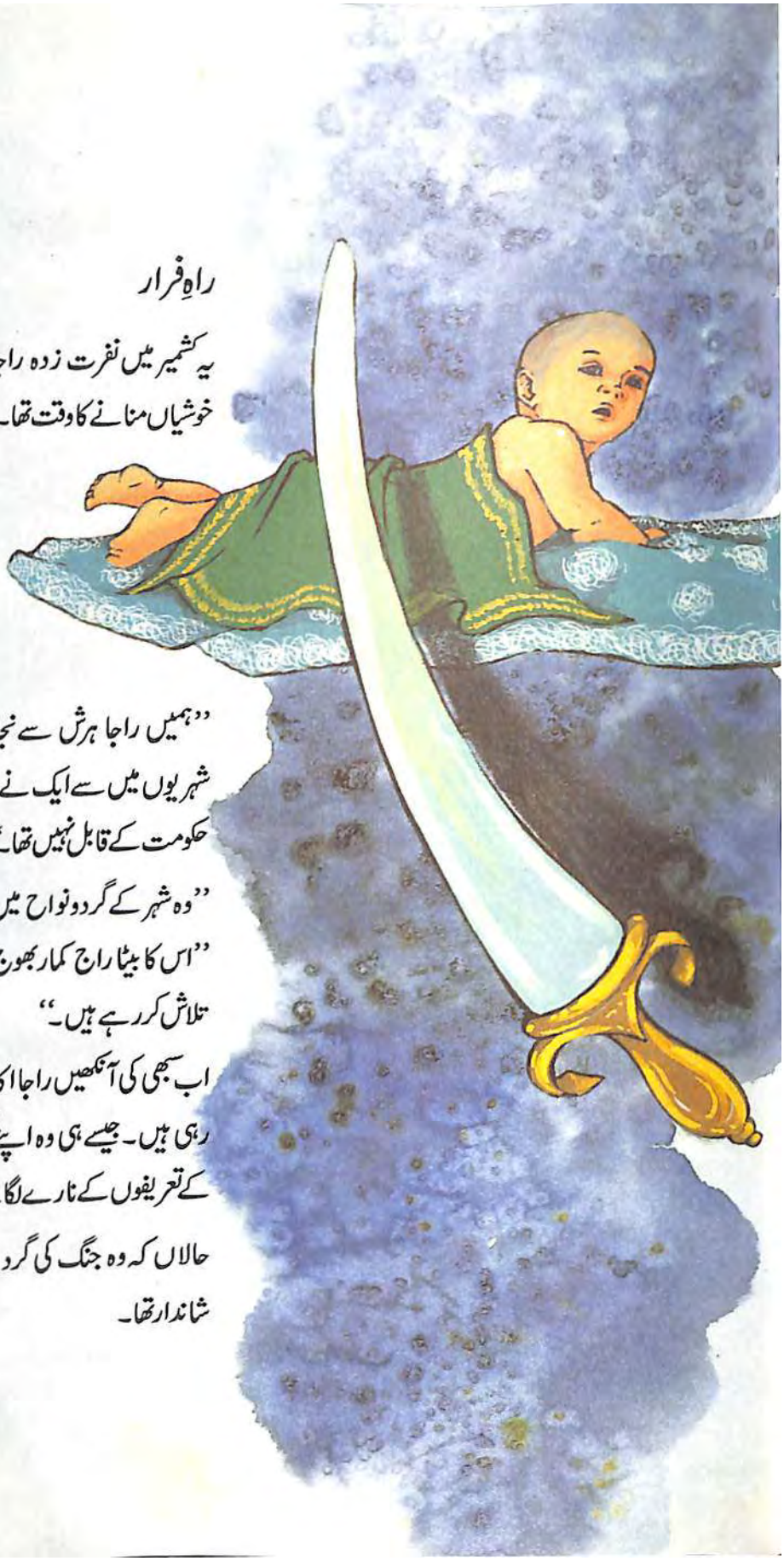

''ہمیں راجا ہرش سے نجات مل گئی ہے''، محل سے باہر جمع شہریوں میں سے ایک نے رائے زنی کی۔ ''وہ نیچ، کینہ پرور اور حکومت کے قابل نہیں تھا۔''

''وہ شہر کے گردونواح میں بھاگ گیا ہے''، دوسرے نے کہا ''اس کا بیٹا راج کمار بھوج نظروں سے غائب ہے۔ وہ اسے تلاش کر رہے ہیں۔''

اب سبھی کی آنکھیں راجا اکالا کی محل میں فتحیانہ آمد کی طرف اُٹھ رہی ہیں۔ جیسے ہی وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا لوگوں نے اس کے تعریفوں کے نارے لگائے۔

حالاں کہ وہ جنگ کی گرد سے ڈھکا تھا تاہم اپنی طاقت میں شاندار تھا۔

''وہ راجا بننے کے لائق ہے''، ایک بوڑھے آدمی نے رائے زنی کی۔''اس کے باپ ہرش کے ذریعے مار ڈالے گئے تھے اور اس کی ماں نے دُکھ کی آگ میں خود کو جلا ڈالا تھا۔ سچ مچ خدا کا انصاف کام کرتا ہے۔''

اکالا ہیرے جواہرات سے سجے ہوئے تختِ شاہی پر بیٹھا اور اس کی بیوی، جیامتی اس کے بغل میں بیٹھی۔''نصف سلطنت تمھاری ہے''، اس نے اسے بتایا۔''تم نے ہمیشہ میری حمایت کی ہے۔''

جوشیلے سپاہیوں کا ایک گروہ دربار میں داخل ہوا۔''مہاراج'' ان کے کمانڈر نے کہا''راجا ہرش مر چکا ہے۔ اس نے جنگل میں ایک بھکاری کی جھونپڑی میں پناہ لی تھی۔ مخبروں نے اسے پالیا اور وہ لڑائی میں مارڈالا گیا۔''

''اور اس کے بیٹے بھوج کا کیا ہوا؟'' راجا اکالا نے ناک بھوں چڑھائی۔''وہ اب تک نہیں ڈھونڈا جاسکا ہے۔''

''مہاراج، ہم اسے رات ختم ہونے سے قبل ڈھونڈ لیں گے۔'' کمانڈر نے کہا۔

سپاہیوں کو برخاست کرتے ہوئے اکالا، جیامتی سے مخاطب ہوا۔''شاید، بھوج مر گیا ہو'' اس نے کہا۔''اگر ایسا ہوا ہے تو میری طرف سے آخری کانٹا بھی نکل چکا ہے۔ ہرش مر گیا ہے۔ میرے والدین کا بدلہ لے لیا گیا ہے۔ میرا بھائی سسالا اب میری طرف ہے۔ میں اور زیادہ کیا خواہش کرسکتا ہوں؟''

وزیروں میں سے ایک آگے بڑھا۔''مہاراج، ٹھیک ابھی ہمیں بھوج کے بارے میں خبر ملی ہے''، اس نے کہا۔''وہ مر چکا ہے۔ وہ سپاہیوں کے ساتھ مقابلے میں قریب ہی کے مقام پر مارا گیا۔''

''تب ہمیں پالیسی کے معاملات حل کرنے دو''، راجا چلایا۔''ماضی ختم ہو چکا ہے۔ اب مستقبل ہے جس کے بارے میں ہمیں سوچنا ہے۔''

جیامتی نے اپنے شوہر کو سلطنت کے امور پر بحث کرتے ہوئے دیکھا۔ تقدیر کے راستوں کو کون جان سکتا

ہے؟'' اس نے سوچا۔'' کچھ عرصہ قبل سلطنت اس کے لیے محض ایک خواب تھا لیکن اب .....۔'' اس کا دھیان کمرے سے باہر کچھ مشتعل آوازوں نے روک دیا۔

''وہ کیا شوروغل ہے؟'' اکالا نے پوچھا۔

جواب میں اس کی فوج کا کمانڈر اپنی بانھوں میں ایک بچے کے ساتھ داخل ہوا۔

''وہ تمھارے ساتھ کون ہے؟'' اکالا نے پوچھا۔

''مہاراج، وہ راج کمار بھوج کا بیٹا ہے۔ جسے سپاہیوں نے ڈھونڈ نکالا ہے''، کمانڈر نے جواب دیا۔

دربار خاموش ہوگیا۔ سب کی نظریں اس چھوٹے اور پیلی صورت والے بچے پر تھیں جو سپاہی کی بانھوں میں گٹھری بنا ہوا تھا۔

''بھوج کا بیٹا۔ میرے دشمن کا پوتا''، اکالا نے نرمی سے کہا۔ ''کتنی عجیب وغریب بات ہے کہ وہ اکیلا بچا ہوا ہے!''

جیامتی اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی۔ ''میرے سوامی'' اس نے بولنا شروع کیا لیکن وزیر اعلیٰ نے اسے جلد ہی ٹوک دیا۔

''مہاراج'' اس بچے کو نیست ونابود کردو''، اس نے کہا۔ ''کوئی بھی اس خاندان کا فرد زندہ نہیں رہنا چاہیے۔ وہ آپ کا دشمن ہے۔ اسے مجھے دے دو اور میں اس سے نپٹ لوں گا۔''

اکالا نے شیر خوار بچے کو غور سے دیکھا۔ ''اس کا نام کیا ہے؟'' اس نے دریافت کیا۔

''مہاراج، بھکشا چارا''، فوج کے کمانڈر نے جواب دیا۔ ''بھکشا چارا''، اکالا بڑبڑایا۔ ''میں اس بچے کے بارے میں سن چکا ہوں۔'' اس کی عمر درازی کو یقینی بنانے کے لیے اس کا نام ''بھکاری کے نام پر رکھا گیا ہے۔ وہ تین لڑکوں میں سے اکیلا بچا تھا۔'' وہ جیامتی کی طرف مڑا۔ ''اس بچے کو لو اور اس کی دیکھ بھال کرو۔ میں اسے تمھارے سپرد کرتا ہوں۔''

''مہاراج'' وزیر نے احتجاج کیا، ''یہ غلط ہے۔''

راجا نے ہاتھ اُٹھایا۔ ''ہمیں اس بچے پر کوئی وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔''

جیامتی آگے بڑھی اور بچے کو اپنی بانہوں میں لے لیا۔ بچے نے اس کی انگلیاں پکڑیں اور زور زور سے رونے لگا۔ ''وہ بھوکا ہے''، اس نے سوچا۔ جب اس نے نرمی سے اسے دلاسا دیا تو اس کی خوبصورت آنکھیں رحم سے پُر تھیں۔ بچے کو نہلایا گیا، کپڑے پہنائے گئے اور کھانا کھلایا گیا۔ آخر کار وہ مطمئن ہو کر فوراً سو گیا۔

''بچارہ'' سوتے ہوئے بچے کو دیکھتے ہوئے جیامتی نے سوچا۔ ''اس کی قسمت میں کیا لکھا ہے؟''

کچھ برس گزر گئے۔ بھکشا چارا مضبوط اور جوان لڑکا ہوا۔ وہ رانی کے کمروں میں رہتا اور کھیلتا۔ راجا سے دور رہتا کیوں کہ اس سے وہ جبلی طور پر خوف کھاتا تھا۔ جب کبھی وہ اکالا کی گرج دار آواز سنتا یا اس کے مضبوط

قدموں کی آہٹ پاتا تو وہ اس وقت تک چھپا رہتا جب تک خطرہ ٹل نہیں جاتا۔ وہ رانی کو پیار کرنے کے لیے بڑا ہوا اور رانی کے شیریں اور پُر شفقت طریقے۔ وہ اس سے چپ رہتا تھا جیسا کہ دوسروں سے۔ تاہم ہر کوئی ان کے درمیان اس بندھن سے واقف تھا۔

اس دوران اکالا کو سلطنت میں بہت سے مخالفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے بہت سی باغی سازشوں کا پردہ فاش کیا۔ ان حرکتوں سے برہم اور غیر محفوظ ہو کر اس نے ہر اس شخص کو مار ڈالا جو اس کے لیے خطرہ پیدا کر سکتا تھا۔

ایک دن اس نے جیامتی کو بلایا۔ ''میں نے آج کی رات جلادوں کو بھکشا چارا کو مار ڈالنے کا حکم دیا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''وہ باقی دوسروں کی طرح میرا دشمن ہے۔''

''میرے سوامی، وہ محض ایک بچہ ہے''، جیامتی نے صدمہ زدہ اور پریشان ہو کر التجا کی۔ ''اس کی جان کو بخش دو۔ وہ آپ کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ تمھیں غلط مشورہ دیا گیا ہے۔

''یہ میرا خود کا فیصلہ ہے!'' راجا چلایا۔ ''بھکشا چار موت کا مستحق ہے۔ مجھے اس کی حفاظت کیوں کرنی چاہیے۔ کیا تم میرے والد کے سفّاکانہ قتل اور میری ماں کی موت کو بھول چکی ہو؟ میں اس لڑکے کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کروں گا۔''

جیامتی یہ جان کر کہ مزید بحث کرنا فضول ہے''، برہم ہو کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ تب اس نے اپنی نوکرانی کو بلایا۔ ''چپکے سے آسامتی کے گھر جاؤ''، اس نے کہا۔ ''اور اسے میرے پاس آنے کو کہو۔''

بوڑھی عورت نے ہاں میں سر ہلایا۔ آسامتی جو بھکشا چارا کی دادی ماں کی ایک رشتہ دار تھی، اپنی ذہانت کے لیے مشہور تھی۔ جب وہ آئی، جیامتی اسے اکیلے میں لے گئی۔ ''میں جانتی ہوں کہ تم اپنے خاندان کے تئیں وفادار ہو''، اس نے کہا۔ ''اور اسی وجہ سے میں بھکشا چارا کو تمھاری نگہداشت میں سونپ سکتی ہوں۔''

آسامتی نے ہاں میں سر ہلایا اور دھیان سے باتوں کو سنا۔ وہ دربار کے حالات کے بارے میں بہت کچھ جانتی تھی۔

''اسے آج کی رات مرنا ہے''، جیامتی نے کہا۔ ''یہ مجھے معلوم ہے اور اب صرف تمھیں۔ اب میرے

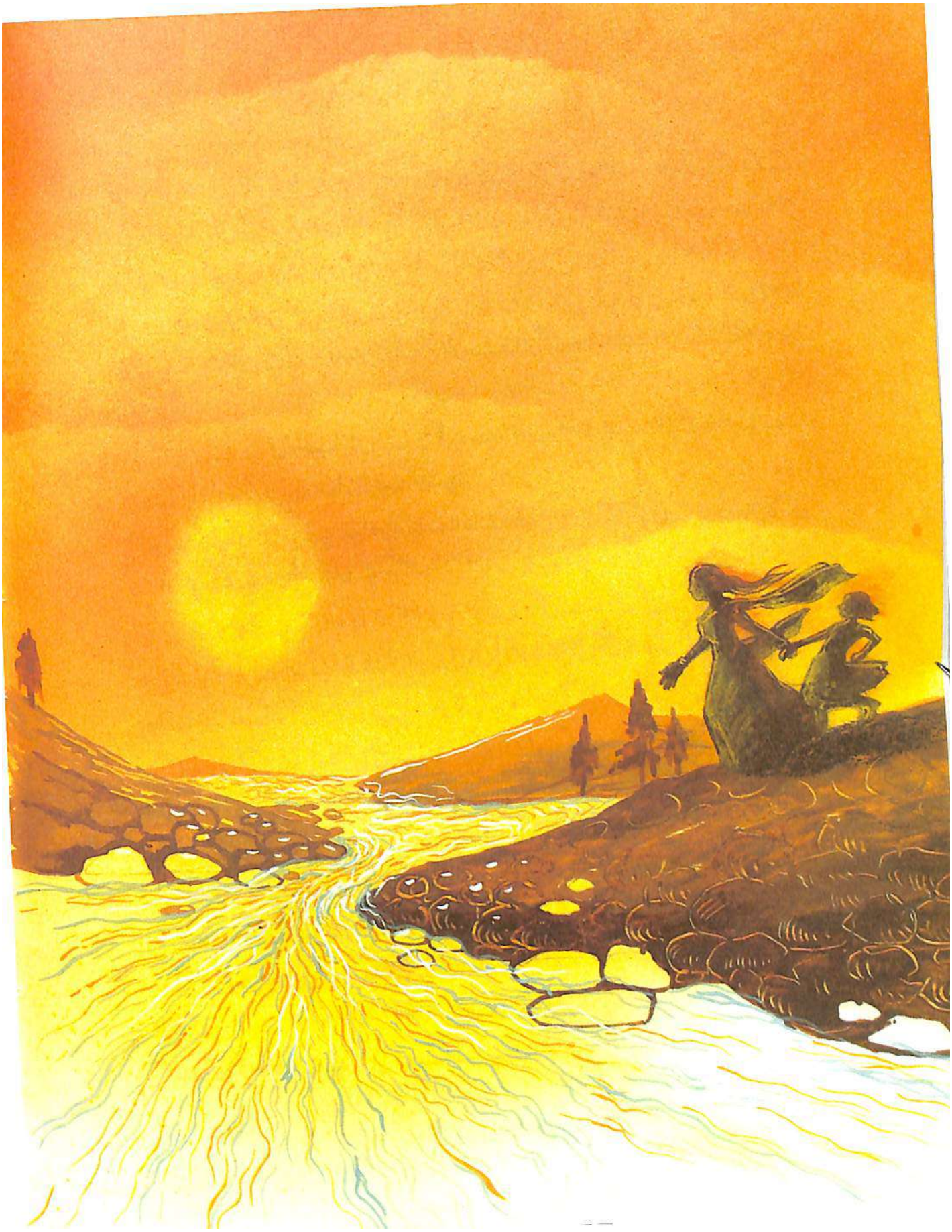

منصوبے کو سنو۔ ہمیں بچے کی زندگی ضرور بچانی چاہیے۔''

''میں ویسا ہی کروں گی جیسا آپ کہتی ہیں''، آسامتی نے کہا۔ ''لیکن راجا کے بارے میں؟ کیا وہ آپ پر شبہہ نہیں کریں گے؟''

''میں ان کی ناراضگی کا خطرہ مول لوں گی؟'' جیامتی نے اپنی آنکھوں میں آنسو بھر کو جواب دیا۔ ''میں بھکشا چارا سے پیار کرتی ہوں اور اس طرح اسے مارنا ٹھیک نہیں ہے۔ راجا کی اقتدار کی ہوس نے اسے اندھا کر دیا ہے۔''

اُس رات جب محل کے دوسرے لوگ سو رہے تھے تو جلاد بچے کو لینے آئے۔ کمرہ تاریک کر دیا گیا تھا۔ ایک کونے میں صرف ایک مدھم چراغ جل رہا تھا۔ جب آدمی کمرے میں داخل ہوئے تو جیامتی جاگ اُٹھی۔

''انتظار کرو''، اس نے کہا۔ ''میں نے تمھارا کام کر دیا ہے۔ بچہ مر چکا ہے۔ لاش کو ندی میں پھینک دو۔''

جلادوں نے لاش کو اٹھایا اور لے گئے۔ تب جیامتی تیزی سے ملحقہ کمرے میں گئی۔ بھکشا چارا فوراً اس کے لیے دوڑا اور گلے لگ گیا۔ ''میرے بچے، حفاظت سے جاؤ''، وہ بڑبڑائی۔ ''خدا تمھارے ساتھ ہے اور وہ تمھارے راستے کی رہنمائی کرے گا۔ اس نے منتظر آسامتی کو اشارہ کیا۔ ''اب اسے لو۔ یہ وقت کھونے کا نہیں ہے۔''

بھکشا چارا کے ہاتھ کو پکڑے ہوئے آسامتی سنسان گلیاروں سے چلی گئی۔ کسی نے ان بھگوڑوں کو نہیں دیکھا جو جلد ہی محل کے باہر ہو گئے اور رات بھر دوڑتے رہے۔ بچہ ہانپنے لگا اور پریشان آسامتی کے ساتھ چلنے کی کوشش کرتا رہا۔ صبح تک وہ ایک ندی کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ وہاں سے آگے لڑکا سمندر اور پھر سڑک سے سفر کرتا رہا۔

آخر کار وہ مالوا شہر پہنچے۔ آسامتی نے محل میں جانے کا راستہ ڈھونڈا اور راجا نراورن کے سامنے گئی۔ لڑکا اپنی بتائی گئی کہانی سے دھندلے طور پر ہی واقف تھا۔ اور دربار کے اہلکاروں کی متجسس آنکھیں اس پر تھیں۔ تب آسامتی اس کی طرف مڑی۔

''اب مجھے تمھیں الوداع کہنا چاہیے''، اس نے کہا۔ ''میں تمھیں یہاں چھوڑ رہی ہوں۔ وہ تمھاری دیکھ بھال

کرنے کے لیے راضی ہو گئے ہیں۔'' اس نے لڑکے کو گلے لگایا اور اس کے ہاتھوں میں کچھ سونے کے سکّے دیے۔ ''ہوسکتا ہے کہ تم ایک دن راجا بنو''، اس نے کہا۔ دریں اثنا جلاد اکالا کے پاس پہنچے۔ ''یہ کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔ ''تم اپنے سروں کو اس طرح لٹکائے ہوئے کیوں ہو؟ کیا تم نے میری حکم کی تعمیل نہیں کی؟''

''مہاراج'' ایک نے پریشان ہو کر کہا، ''غلط بچہ مار ڈالا گیا ہے۔ ہم نے اس کا چہرہ اس وقت دیکھا جب ہم نے اسے پانی میں پھینک دیا۔ اور وہ بھکشا چارا نہیں تھا۔''

''کیا!'' راجا غصّے میں چیخ اُٹھا۔ ''تم نے یہ غلطی کیسے کی؟''

''مہاراج'' بچہ پہلے ہی مر چکا تھا۔ کمرے میں اندھیرا تھا اور ہم نے رانی کی باتوں پر شبہہ نہیں کیا۔''

اکالا نے انھیں برخاست کیا اور غصّے میں رانی کے کمرے کی طرف گیا۔ جب راجا داخل ہوا وہ خاموشی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ''تم نے کیا کیا ہے''، اس نے کہا۔ ''تم نے اپنے شوہر، اپنے راجا کو ذلیل کیا ہے۔ میں تم میں دوبارہ کبھی بھی یقین نہیں کروں گا۔''

جیامتی کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ ''اے سوامی، مجھے معاف کریں، میرے پاس کوئی متبادل نہیں تھا۔ میں نے آپ کا یقین کھویا ہے لیکن خدا کی نظروں میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا ہے۔''

بہت برسوں بعد بھکشا چارا، اکالا کے بھائی سسالا جو اکالا کی موت کے بعد تخت پر بیٹھ گیا تھا، معزول کر کے کشمیر کا راجا ہوا۔ لوگوں نے اس کا استقبال کیا اور پروہتوں نے قصیدے پڑھے۔ جوں ہی وہ محل میں داخل ہوا اس کا دماغ اپنی فتح، اپنی طاقت اور شاید ان دو عورتوں کی سوچ سے پُر تھا، جنھوں نے اس شاندار خاتمے کے لیے اُس کی قسمت کو سنوارا تھا۔

ایک لاکھ سکّے

کسی زمانے میں وجے نام کا ایک آدمی تھا جس نے اپنی کڑی محنت اور کفایت شعاری سے بہت روپیہ پیسہ جمع کرلیا تھا۔

''کیا مجھے کچھ رقم پریشانی کا سامنا کرنے کی خاطر الگ نہیں رکھ دینی چاہیے؟'' اس نے سوچا۔ 'ہاں' میں ایسا کروں گا۔ لیکن میں کس کے پاس جمع کروں گا؟''

بہت غور وفکر کے بعد اس نے تاجر ناگا پر فیصلہ کیا جس سے وہ واقف ہوگیا تھا۔ ناگا وجے کی تجویز سے خوش ہوا۔

''تم بہت عقل مند آدمی ہو''، اس نے کہا۔ ''ہر ایک کو کچھ پیسے غیر متوقع مصیبتوں کے لیے ہمیشہ الگ رکھ دینا چاہیے۔ تم میرے پاس کتنا پیسہ جمع کرنا چاہتے ہو؟''

''میں تمھارے پاس ایک لاکھ دینار جمع کروں گا''، وجے نے کہا۔

''ایک لاکھ؟'' بہت اچھا''، خوش ہوکے ناگا نے جواب دیا۔ ''میں اس کی حفاظت کروں گا۔ وقت بہ وقت تم خرچ کے لیے

مجھ سے تھوڑی بہت رقم لے سکتے ہو۔''

وجے ایک سیدھا سادھا آدمی تھا اور ہمیشہ مسکراہٹ یا معنی خیز حرکت سے دھوکا کھا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اسے اتنا اطمینان محسوس ہوا کہ اس نے تاجر کی آنکھوں میں بدنیتی کی چمک کو نہیں دیکھ پایا۔ تاجر کی وہ مسکراہٹ بہت زیادہ دوستانہ نہ تھی۔ وہ اپنے گھر واپس لوٹا اور اپنے منصوبے کے بارے میں اپنی بیوی کو خوشی سے بتایا۔

''لیکن کیا اس پر یقین کیا جا سکتا ہے؟'' اس کی بیوی نے پوچھا جو ہمیشہ محتاط رہتی تھی اور اپنے شوہر کی سادہ لوح فطرت کو جانتے ہوئے اس کی تمام اسکیموں کے بارے میں متشکک تھی۔

''یقیناً، وہ قابل اعتماد ہے''، وجے چیخا۔ ''وہ شہر میں مشہور ہے اور اس سے قبل میں اس سے دو ایک بار مل چکا ہوں۔ مجھے اس کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ ہمارے پیسے محفوظ ہیں۔'' اس نے اپنے چھوٹے بچے کو ایک کونے میں کھیلتے ہوئے دیکھا اور اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ ''سب کچھ اس کے لیے ہے جو کچھ میں یہ کر رہا ہوں''، اس نے آہستہ سے کہا۔ ''جب وہ بڑا ہو جائے گا تو اس کے پاس اچھی زندگی جینے کے لیے کافی پیسہ ہونا چاہیے۔''

''وہ جیے گا'' اس کی بیوی مسکرائی۔ ''اس کا مستقبل پہلے سے ہی محفوظ ہے۔''

جیسے جیسے دن گزرتے گئے وجے معمولی چیزوں کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے ناگا سے وقتاً فوقتاً چھوٹی رقم لیتا رہا۔ ہر دفعہ تاجر وجے کے ساتھ ایسا سلوک کرتا کہ یہ اس کا سب سے اہم گراہک ہے۔ وہ اس کے اچھے ذہن کی تعریف کرتا اور وجے اس سے بہت خوشی محسوس کرتا۔

اس طرح سے بیس برس گزر گئے۔ وجے کا لڑکا خاصا جوان ہو گیا جس نے خود کو والدین کے لیے وقف کر دیا تھا اور وہ ان کے لیے طاقت کا بڑا منبع تھا۔ اس نے اپنے والد کی طرح سخت محنت کی تاکہ اس کے والد اپنے بڑھاپے کے دنوں میں آرام کر سکیں۔

ایک دن وجے نے اپنی بیوی سے کہا ''کیا تم اس پیسے کو یاد کرتی ہو جو میں نے ناگا کے یہاں جمع کیا تھا؟'' عورت نے ہاں میں سر ہلایا۔ وہ وقت گزر جانے کے باوجود بھی اسے نہیں بھولی تھی۔ ''ٹھیک''، وجے نے

بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا، ''میں سوچتا ہوں کہ ساری رقم ناگا سے واپس لے لوں اور اسے اپنے بیٹے کو دے دوں۔ یہ اب اس کا حق ہے۔''

''ہاں، یہ عقل مندی ہے۔'' اس کی بیوی نے اتفاق کیا۔ 'جاؤ اور پیسے واپس لے آؤ۔''

اس کے مطابق وجے تاجر کے گھر پہنچا اور اپنے پیسے کے لیے کہا۔

''پیسہ!'' ناگا نے اپنے سر کو کھجایا اور وہ کچھ سوچتا مشتبہ دکھائی دیا۔

''ابھی میں مصروف ہوں۔ بعد میں آنا۔''

وجے گھر واپس ہوا اور دوبارہ جانے سے قبل ایک ہفتہ تک انتظار کیا۔ اس دفعہ ناگا اپنی دوکان کی چیزوں کو نئے طریقے سے لگا رہا تھا۔ اور کچھ مزید وقت مانگا۔ وجے ذرا سا بے صبری کا احساس کرتے ہوئے خالی ہاتھوں گھر واپس ہوا۔

کچھ دنوں بعد جب وہ دوبارہ گیا تو ناگا بے حد خفا ہوا۔ ''میری بیوی بیمار ہے اور میں اس کی تیمارداری میں مصروف ہوں''، وہ چلایا۔ ''اور تم مجھ سے ابھی اپنا حساب کرنا چاہتے ہو؟''

''نہیں، نہیں'' وجے نے گھبرا کر کہا۔ ''میں دوبارہ آجاؤں گا۔ تب تم میرے لیے پیسے کو ضرور تیار رکھنا۔'' اس نے للکار کے لہجے میں یہ جملہ جوڑا۔ ''یہ تیسری دفعہ ہے جو میں تمھارے پاس آیا ہوں۔''

''ہاں ! ہاں!'' ناگا نے اپنے ہاتھ کو برخاست کرنے کے انداز سے ہلایا اور دروازہ بند کرلیا۔

اس دفعہ وجے بڑھتی ہوئی پریشانی کا احساس کرتے ہوئے گھر واپس ہوا۔ ناگا اس کے پیسے کو دینے میں دیر کیوں کر رہا تھا؟''

''تمھیں کسی دوسرے حیلے بہانے کو نہیں ماننا چاہیے''، اس کی بیوی نے تنبیہہ کی۔ ''دو دن کے بعد پھر جاؤ اور فوری طور پر پیسہ دینے کا مطالبہ کرو۔ آخر کار وہ پیسے تمھارے ہیں اور تم اسے جب چاہو لے سکتے ہو۔'' جب

وجے کا چوتھی دفعہ ناگا سے سامنا ہوا تو تاجر کا چہرہ غصّے سے کالا پڑ گیا۔ ''اب تم کیسا پیسہ چاہتے ہو؟'' اس نے وجے کو بہی کھاتہ دکھاتے ہوئے پوچھا۔ ''اصلی رقم میں سے مشکل سے ہی کچھ بچا ہے۔ تم تقریباً ساری رقم خرچ کر چکے ہو۔ فائدہ نقصان میں بدل چکا ہے۔''

یہ دیکھ کر وجے اس قدر صدمہ زدہ ہوا کہ وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔ تاجر بولتا رہا۔ یہاں دیکھو، پُل کی چنگی کے لیے چھ سو دینار تم نے لیے تھے۔ ایک سو دینار، موچی کو تمھارے جوتے اور کوڑے کی مرمت کے لیے دیے گئے۔ پچاس دینار پھپھولوں پر گھی لگانے کے لیے نوکرانی کی لڑکی کی خاطر لیے تھے۔ تم نے کمہار کی عورت کو تین سو دینار دیے جس نے اپنے سارے برتن توڑ ڈالے تھے۔ ہاں، ہاں اپنے بلّی کے بچوں کو کھلانے کے لیے بازار سے چوہوں اور مچھلیوں کی (fish juice) رطوبت خریدی۔ سات سو دینار سے تم نے پاؤں کے مرحم کے طور پر مکا، چاول کا آٹا، جشن کے لیے گھی اور شہد خریدا۔ سو دینار تمھارے کمسن لڑکے کے لیے جسے سردی تھی، شہد اور ادرک کے خریدنے میں خرچ ہوا۔ تم نے تین سو دینار ایک ضدّی بھکاری کو دے دیا۔ ایک یا دو سو دینار استادوں کو تحفہ و تحائف دینے میں خرچ ہوئے .....اور.....''

اس طرح سے تاجر کی آواز دھیرے دھیرے بند ہو گئی لیکن وجے کوئی دھیان دینے کے لائق نہ بچا تھا۔ اسے ناگا سے اتنی بڑی رقم لینی یاد نہیں آتا تھا۔ اب یہ محسوس ہوتا تھا کہ اس نے قریب قریب تمام جمع رقم کو لاپرواہی سے خرچ کر دیا تھا۔

''اور تمھیں مجھے سود ادا کرنا چاہیے۔'' شاطر تاجر نے فریبی صورت سے اپنی آنکھوں کو نیم بند کر کے بات ختم کی۔ ''درحقیقت میں نے تمھیں پیسے قرض دیے تھے جب تمھاری اصل رقم گھٹتے گھٹتے ختم ہونے لگی تھی۔''

وجے سراسیمہ گھر واپس لوٹا اور اس کی بیوی اس کی صورت کو دیکھتے ہی خوف سے چلّا اُٹھی۔ ''کیا غلط ہوا ہے؟'' مجھے جلدی بتاؤ۔''

وجے نے دکھ اور صدمے سے روندھی ہوئی آواز میں ساری کہانی سنائی۔ اس کی بیوی غصہ سے کانپتی ہوئی کھڑی ہو گئی جب اس نے کہانی کو ختم کیا۔ اس کی آنکھیں غصّے سے چمک رہی تھیں۔

''اس نے تمھیں دھوکا دیا!'' وہ چلائی۔ ''یہ وہی ہوا جس کا مجھے شروع سے خدشہ تھا۔ ناگا نے سارے پیسوں کو ہڑپ لیا ہے اور یہ جھوٹے بہانے بناتا ہے کہ آپ نے ان پیسوں کو کیسے خرچ کیا۔ میں ان تمام چیزوں کے اخراجات کو یاد نہیں کر رہی ہوں اور نہ ہی آپ۔ اس کے علاوہ اس نے آپ کو پہلے کیوں نہیں ٹوکا جب لاکھ دینار تقریباً ختم ہو چکے تھے؟''

''اس نے اپنے بہی کھاتہ میں یہ درج کیا ہے۔'' وجے بھنبھنایا۔ ''ہم اب کیا کر سکتے ہیں؟''

''ہم ججوں کے پاس جائیں گے''، اس کی بیوی نے کہا۔ ''ہم اتنی آسانی سے نہیں چھوڑیں گے۔ افسوس! کہ ہم اس قسم کے بے رحم اور بے ایمان تاجر کے شکنجے میں پھنس گئے!''

بہر حال میاں بیوی کی زندگی میں مایوسی لکھی تھی۔ وہ ایک کے بعد ایک جج کے پاس گئے لیکن تاجر کو شکست نہ دے سکے۔ ایک کے بعد دوسرا جج اس معاملے میں اُلجھتا گیا۔

''بہی کھاتہ خرچ کے آئٹم کو دکھاتا ہے''، وہ کہیں گے۔ ''یہ ثبوت ہے کہ تم اپنی رقم کا ایک کثیر حصہ خرچ کر چکے ہو۔ یہ عجیب و غریب بات ہے کہ تاجر نے تمھیں اس کے بارے میں یاد کروانے کی نہیں سوچا۔''

اس وجہ سے ججوں نے اپنے فیصلوں کو اپنے پاس محفوظ رکھا۔ حالاں کہ انھوں نے ایک دوسرے سے صلاح و مشورہ کیا لیکن وہ صحیح فیصلے پر نہیں پہنچ سکے۔

اس دوران ناگا نے اپنے ثبوت سے پر اعتماد ہو کر وجے کو رحم سے دیکھا اور کہا ''بچارہ اپنے دماغ کو کھو چکا ہے۔ وہ اپنے پیسوں کو لاپرواہی سے خرچ کر چکا ہے اور وہ اب اسے تسلیم کرنے کے لیے راضی نہیں ہو رہا ہے۔''

میاں بیوی دونوں بہت ہی دکھی تھے۔ حالاں کہ ان کے بیٹے نے انھیں بار بار تسلی دی لیکن وہ بے کار ثابت ہوئی۔ آخر کار یہ معاملہ پریشان ججوں کے توسط سے راجا اکالا کے کانوں تک پہنچا۔ راجا نے معاملے پر غور وخوض کیا اور تب تاجر کو طلب کیا۔

''مجھے جمع کی گئی رقم کا ایک چھوٹا سا حصہ دکھاؤ''، اس نے کہا۔ ''تب میں فیصلے کا اعلان کروں گا۔''

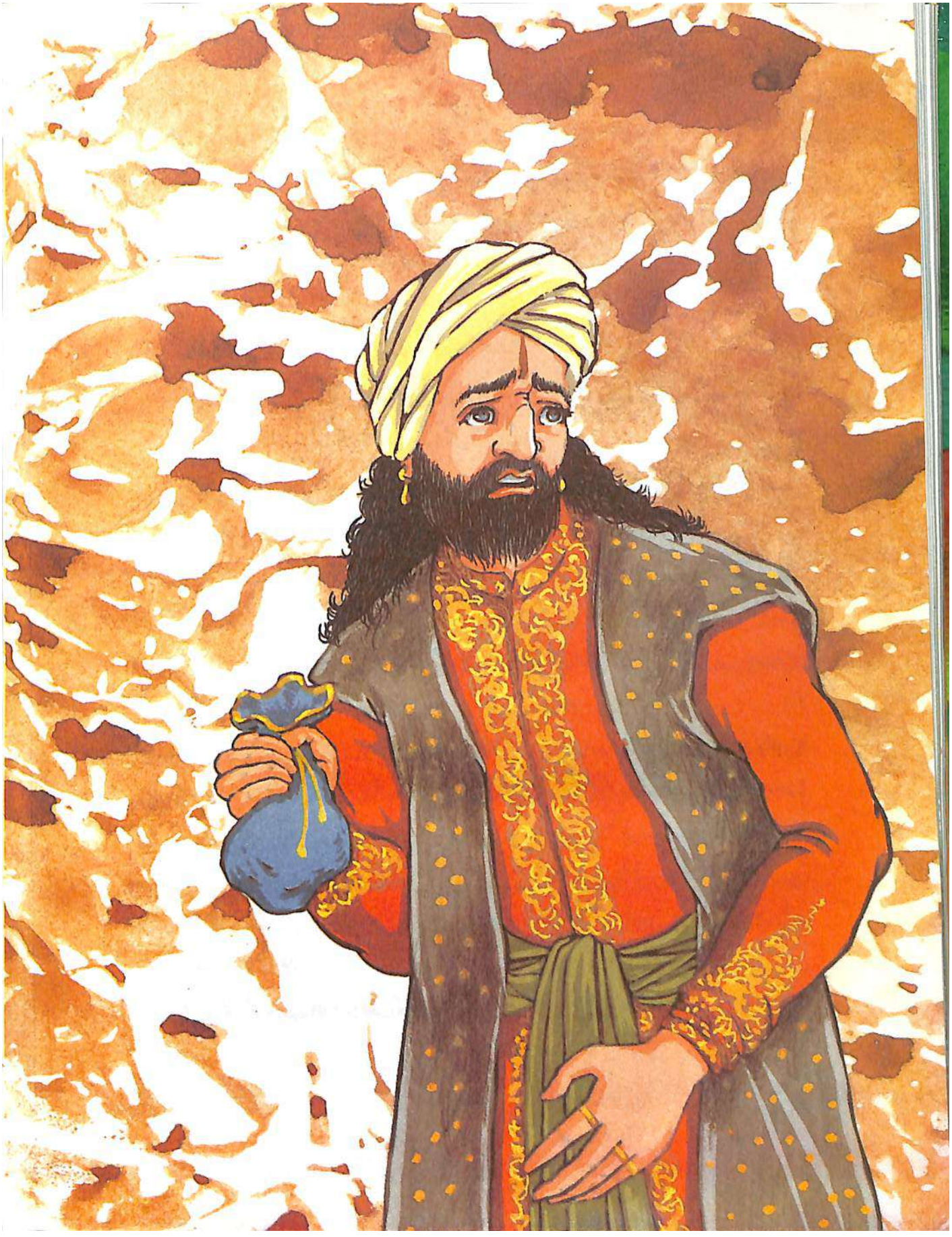

ناگا جھکا اور دوڑتے ہوئے اپنے گھر واپس گیا۔ وہ جلد ہی پیسوں کی ایک چھوٹی تھیلی کے ساتھ محل واپس ہوا۔

''اے مہاراج یہی سب کچھ ہے جو بچا ہوا ہے''، اس نے کہا۔ ''وجے بہت خرچ کر چکا ہے۔''

راجا نے پیسے کو لیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ تب اس نے کہا ''بدمعاش، تم جھوٹ بول رہے ہو۔ یہ پیسے مجھ سے ایسا کہتے ہیں۔''

ناگا خوف سے پیلا ہو گیا اور جمع ہوئے وزراء حیرت زدہ ہو گئے۔ اب ان پیسوں کو دیکھتے ہوئے راجا کہتا رہا۔ ''کیا راجا مہاراجا پہلے کے راجا مہاراجا کے سکّے استعمال کرتے ہیں؟ اگر نہیں، تو بیس برس پہلے کے راجا کلش کے وقت کے کچھ سکّے کیسے جمع کیے جا سکتے ہیں۔ ان سکّوں پر میرا نام بھی دکھاؤ؟ اس سے یہ بالکل صاف ہے کہ تاجر نے اپنے مقاصد کے لیے جمع کیے ہوئے لاکھ دینار کو خرچ کیا ہے۔ اور وجے کو یہ یقین دلاتے ہوئے بیوقوف بنایا ہے کہ پیسے اس کے ذریعے ہی خرچ کیے گئے تھے۔''

ناگا زمین پر گر پڑا۔ اس کے تمام اعضاء کانپ رہے تھے۔ ''اے رحم دل راجا، مجھے معاف کرو''، وہ چلّایا۔ ''یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں۔ مجھے سزا مت دو۔ میں فوری طور پر وجے کو ساری رقم ادا کر دوں گا۔''

تم ان لاکھ دینار پر اس وقت سے سود بھی ادا کرو گے جب سے یہ رقم جمع کی گئی تھی''، راجا نے حکم دیا۔ ''یہی تمھارے لیے سزا ہے۔ اور اگر پھر کبھی کسی کو دھوکہ دو گے تو تمھیں باقی زندگی کے لیے جیل میں ڈال دیا جائے گا۔ دفع ہو جاؤ!''

ناگا نے اپنے پیروں کو سمیٹا اور دربار سے بھاگ نکلا۔ راجا نے وجے اور اس کی بیوی کو بلایا۔ اس دوران وہ اس اچھی خبر کو سوچ کر مسکراتا رہا جو وہ انھیں دینے والا تھا۔

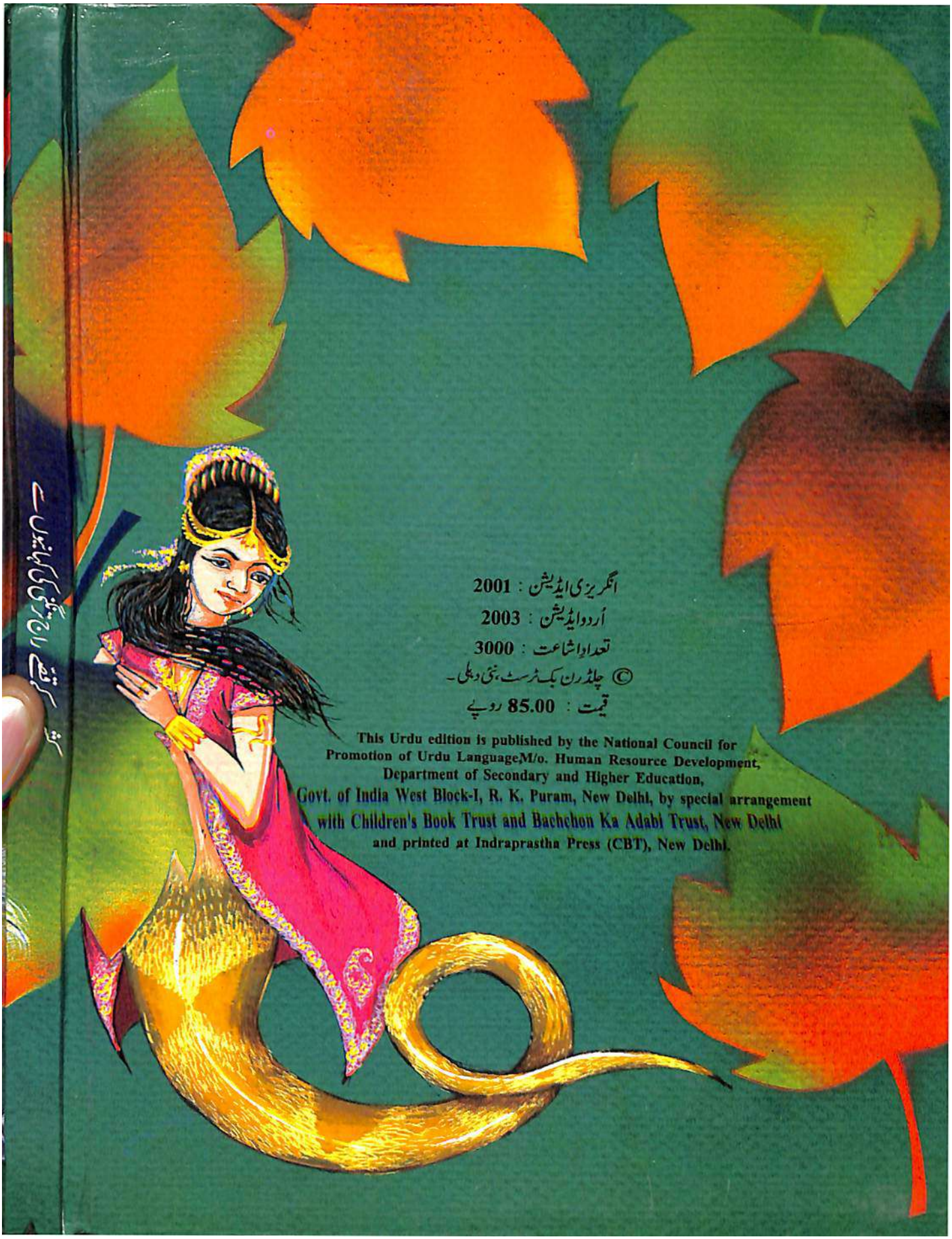

انگریزی ایڈیشن : 2001
اُردو ایڈیشن : 2003
تعداد اشاعت : 3000
© چلڈرن بک ٹرسٹ، نئی دہلی۔
قیمت : 85.00 روپے

This Urdu edition is published by the National Council for Promotion of Urdu LanguageM/o. Human Resource Development, Department of Secondary and Higher Education, Govt. of India West Block-I, R. K. Puram, New Delhi, by special arrangement with Children's Book Trust and Bachchon Ka Adabi Trust, New Delhi and printed at Indraprastha Press (CBT), New Delhi.